غلطیوں اور مفہوم کو درست

کرنے کے بارے میں

نمازیوں کیلئے نصیحتیں

اور

ائمہ مساجد اور خطیبوں کیلئے نصیحتیں

﴿تین زبانوں میں: عربی، انگلش، اردو﴾

مؤلف

استاذ دکتور عبد القادر عبد الرحمن السعدي

تاریخ: ۱۴۴۲ھ، ۲۰۲۱م

المترجم: الشیخ عرفان اللہ شانگلوي

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
المقدمة	7	پہلے صف جانے میں لوگوں کی گردنیں پامال کرنا	27
وضوء اور غسل میں زیادہ پانی استعمال کرنا:	10	جمعہ کے دن نماز اور خطبہ سے پہلے لوگوں کا منتشر بیٹھنا	29
باجماعت نمازوں میں بغیر شرعی عذر سے سستی کرنا:	13	خطبہ کے دوران باتیں کرنا	30
جمعہ کے دن مسجد جانے میں تاخیر کرنا:	16	موبائل فون یا اور کوئی چیز کے ساتھ خطبہ کے دوران کھیلنا	31
نمازی کو اپنی گاڑی کھڑی کرنا:	18	دوسرے خطبے کے دوران تحیۃ المسجد یا سنتیں پڑھنا:	32
جوتوں کو اپنے مخصوص جگہوں میں نہ رکھنا:	21	نمازی کا سترہ:	33
مائع نجاست جب کپڑے بدن یا بستر پر خشک ہوجائے تو کیا یہ انکی پاکی کی دلیل ہے؟	21	دوران آذان یا آذان کا وقت قریب ہونے کے وقت یا خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد کی نماز کا حکم:	41
بدبو کے ساتھ مسجد میں داخل ہونا:	22	اقامت کے وقت سنتیں ادا کرنا:	44
نماز میں شریک ہونے کیلئے تیزی سے چلنا:	24	نمازی کے سامنے ذی روح کی تصویر کا ہونا:	46

باجماعت نماز میں دوسری صف شروع کرنا:	48	عصر کی نماز سے پہلے والے سنت:	72
صف میں کھڑے ہونے کا طریقہ اور نمازی کا کرسی یا معذروں کی گاڑی پر بیٹھنا	50	مسجد کے ستونوں کے درمیان باجماعت نماز ادا کرنا:	73
پاؤں کی پشت یا انگلیوں سے صفوں کو درست کرنا:	57	کہنیوں کو دھوتے وقت ہاتھوں کو نہ دھونا:	73
مصحف کی طرف پاؤں کو پھیلانا:	59	آستین کو آدھے بازو تک وضوء میں اٹھانا:	74
نمازی کا قبلہ کی طرف یا بیٹھنے والوں کی طرف پاؤں پھیلانا، یا قرآن کی تلاوت کے دوران لوگوں کے سامنے انگلی سے ناک صاف کرنا:	60	اُن جرابوں پر مسح کرنا جو ٹخنوں کو نہ ڈھانپیں:	74
مسجد میں بچوں کو ترتیب سے صف بستہ کرنا:	62	وباء پھیلنے پر صحت کی ہدایات پر عمل کرنا:	75
مسجد میں جو (اے_سی) یا گرمائش وغیرہ کے آلات ہوتے ہیں ان میں تصرف کرنا اور مسجد کی روشنی کو نمازیوں کے رخصت ہونے سے پہلے بجانے کو سنت سمجھنا:	64	رنگ ٹون پر آیت یا دعا یا آذان وغیرہ لگانا:	76
تاخیر سے آکر فرض سے پہلے والے سنت پڑھنا:	67	جن پر غضب ہوئی ہو انکی طرح بیٹھنا:	77
قرآن کی تلاوت کرنا:	67	خطبہ کے دوران یا دوسری صورت میں دیوار سے ٹیک لگانا اور مسجد کے دروازوں پر بیٹھنا:	78
دعا کے وقت ہاتھوں کو اٹھانا اور جب دعا ختم ہو جائے تو اس سے چہرے کو مسح کرنا:	69		

نماز یا تلاوت یا کوئی ذکر تسبیحات کرنے والوں پر سلام کرنا:	79	خفیاں نمازوں میں (جہر) بلند آواز سے قرات کرنا:	93
قرآن یا وہ موبائل جسمیں قرآن ہو، زمین پر رکھ کر اس سے تلاوت کرنا:	80	نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا:	94
بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے نماز پڑھنا:	80	لفظِ (آمین) پر سورتِ فاتحہ ختم ہونے کے بعد تلفظ کرنا:	95
مسجد میں کوئی جگہ اپنے لئے مختص کرنا:	81	نماز میں ہلنا:	95
بیٹھے ہوئے مقام پر سو کر وضوء کا خاتمہ:	82	مسبوق کا رکوع میں تکبیر، تکبیرِ احرام شمار ہوگا:	98
نمازی کا مسجد میں نماز کیلئے ایک جگہ خاص کرنا:	82	رکوع میں جھکنا:	99
لفظِ (اللہ) کے درمیانی الف میں مدِ زائد کرنا:	84	نماز میں اوپر کی طرف دیکھنا، اور رکوع سے سر کو اوپر کی طرف اٹھانا:	101
خطبہ کے دوران نمازیوں پر پانی تقسیم کرنا:	85	نمازی کا وہ چیز جس کو پہنا ہے (زمین پر رکھ) اس پر سجدہ کرنا:	101
نماز کے انتظار میں بیٹھ کر انگلیوں میں تشبیک کرنا کہ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسری ہاتھ میں داخل کرنا:	85	اپنے دونوں بازوں کو سجدے میں زمین یا اپنے طرفوں سے ملانا:	102
نمازی کا آذان کے بعد نماز سے پہلے مسجد سے نکلنا:	88	دونوں بازوں کو سجدے کی حالت میں زیادہ کھولنا:	103
آذان کے دوران قرآن کی تلاوت کرنا:	89	پاؤں کو سجدے کی حالت میں زمین سے اٹھانا یا ایک دوسرے پر رکھنا:	104
آدمی کا ٹی شرٹ یا رات کے کپڑوں (پاجامہ) میں نماز پڑھنا:	92		

کرسی پر نماز پڑھنے والے کو اپنے دونوں ہاتھوں کو سجدے میں آگے کی طرف پھیلانا:	105	نمازِ تراویح کی رکعتوں کی تعداد:	120
دیر سے آنے والے کا رکوع میں ہونا جبکہ امام رکوع سے اٹھ گیا ہو	106	نماز میں صرف آخری سجدے کو لمبا کرنا:	128
رکوع اور سجدے میں یکساں طور تسبیحات پڑھنا	106	امام کو قنوتِ نازلہ پڑھتے وقت مقتدی کا اس پر آمین کہنا:	129
تشہد میں انگلی کو حرکت دینا:	108	برمودا جینز یا نیند کے کپڑوں میں نماز پڑھنا:	131
نماز کے ارکان میں جلدی کرنا:	109	امام کے سلام کے بعد مسبوق کا باقی نماز کو مکمل نہ کرنا:	131
نماز میں غلط قرات کرنا:	111	مقتدی کی نماز اس امام کے پیچھے جو بیٹھ کر نماز اداء کرتا ہو:	132
عورت کو باریک کپڑوں میں نماز پڑھنا جس سے بال یا اور کوئی عضو نظر آتا ہو اور انکے پاؤں کا نماز میں برہنہ ہونا	111	چھوٹے بچے سے امامت کروانا:	137
رکوع اور سجدہ کرتے وقت پیچھے سے بدن کا کچھ حصہ ظاہر ہونا:	113	نمازِ مغرب اور فجر کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے دس مرتبہ لاالہ الااللہ پڑھنا:	142
نمازی کا نماز کے دوران دوسرے نمازی کی شرمگاہ کو ڈھانپ لینا:	114	اپنے ساتھی کو فرض نماز ختم ہونے کے بعد جگہ چھوڑنا	143
امام سے ارکان کی ادائیگی میں سبقت یا تاخیر یا مقارنت کرنا:	115	اونچی آواز سے ذکر یا تسبیحات کرنا:	144
امام کو قرات میں فتح دینا:	116	کیا تسبیحات صرف دائیں ہاتھ سے کرنی چاہئے یا دونوں ہاتھوں سے:	144
دوسری جماعت پڑھنے میں آواز زیادہ اونچی کرنا:	118	باجماعت نماز میں سلام کے بعد نمازی کا جلدی سے اٹھنا:	152

باجماعت نماز کے وقت ناک کی گندگی یا چھینک آنا:	152	چھوٹے بچوں کو صف میں کھڑا کرنا:	177
مسجد میں فضول باتیں کرنا:	154	امام کا نماز شروع کرنے سے پہلے نمازیوں کو صفیں سیدھا کرنے پر توجہ نہ دینا:	177
مسبوق کا اپنا نماز پورا کرنا:	155	امام کا نماز کے بعد مسنون اذکار سے قبل اپنی نشست بدلنا:	178
سنتِ مؤکدہ کی قضاء کرنا:	156	امام کا نماز کے بعد مسجد سے جلدی نکلنا:	179
نماز اور خطبہ کو لمبا کرنا:	161	دعا کے دوران عجلت:	178
خطیب کا خطبہ زیادہ لمبا کرنا:	166	امام کا اُن سورتوں کو نہ پڑھنا جو سنت سے ثابت ہے:	179
تلاوت میں ابتداء اور وقف کے اصولوں کی رعایت کرنا:	167	صرف نماز کے آخری سجدے کو لمبا کرنا:	179
امام اور خطیب کا مائیک کو منہ کے زیادہ قریب کرنا یا لاؤڈ سپیکر کو مسجد کے اندر آذان یا نماز کیلئے استعمال کرنا:	169	امام کا اقامت کے بعد فوراً تکبیرِ تحریمہ کہنا:	180
بعض مقتدی حضرات نماز کے بعد امام کے ساتھ ملتے ہیں اس حال میں کہ وہ بیٹھا ہوا ہوتا ہے	171	امام کا نماز میں غیر حاضری کرنا:	181
ہر فرض نماز کے بعد نصیحت کرنا:	173	امام یا منفرد کا مقامات کے مطابق قرات کرنا:	182
نمازی حضرات کے نکلنے سے پہلے (لائٹس، اے سی) اور مسجد کے دروازوں کو بند کرنا:	175	الیکٹرونک آلات سے حشرات کو جلانا:	188
خطبہ میں لغت اور عربی گرائمر کا خیال رکھنا:	175		
رکوع وسجود کی لمبائی برابر نہ رکھنا:	176		

بسم الله الرحمن الرحيم

"مقدمة"

الحمد لله حق حمده، والصلاة والسلام على من لا نبي من بعده وعلى آله وصحبه وجنده !

أما بعد :

پس یقینا (دین سراسر نصیحت ہے) جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے .

تو اس بنیاد پر کہ (دین سراسر نصیحت ہے) تو میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے بھائیوں کیلئے یہ نصیحتیں لکھ دوں، اور پھر اسکے بعد ائمہ مساجد اور خطیب حضرات کیلئے نصائح قلمبند کروں .

اور یہ نصیحتیں میں نے اپنے تجربے کی بناء پر نمازیوں کی غلطیوں سے نکالی ہیں، اور میں نے اپنے بھائیوں سے بھی اس کاوش میں ساتھ دینے کا مطالبہ کیا تھا، یہ نصائح اس لئے لکھے کہ چند لوگ شرعی احکام میں غلط بیانی کرتے ہیں .

سب سے پہلے میں نے ان غلطیوں کی نشاندہی کی ہے جو اس ناچیز نے دوران جائزہ محسوس کیا اور پھر ان کی اصلاح کو مختصراً بیان کیا تاکہ اس کی طوالت لوگوں پر گراں نہ ہو .

یہ نصیحتیں تین حصوں میں تقسیم ہیں:

پہلا حصہ : نماز سے پہلے والے کاموں کے بارے میں .

دوسرا حصہ : نماز کے اندر والے کاموں کے بارے میں .

تیسرا حصہ : نماز کے بعد والے کاموں کے بارے میں .

پھر اسکے بعد ائمہ مساجد اور خطباء کیلئے نصیحتیں:

اللہ جل جلالہ ان نصیحتوں سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور اس حقیر کی معمولی کوشش کو قبول فرمائے، کیونکہ بہت سے احادیث نبویہ اور فقہی مسائل سے لوگ غافل ہیں، یہاں تک کہ دینی طبقہ بھی غافل ہے .

اللہ جل جلالہ سے دعا ہے کہ ہم سب کے نیک اعمال قبول فرمائے بیشک وہ سننے والا اور قبول کرنے والا ہے .

اولاً: نمازیوں کیلئے نصیحتیں

پہلا حصہ: وہ نصیحتیں جو نماز سے پہلے کاموں کے بارے میں.

دوسرا حصہ: وہ جو نماز کے اندر والے کاموں سے متعلق ہیں.

تیسرا حصہ: وہ جو نماز کے بعد والے کاموں سے متعلق ہیں.

وہ نصیحتیں جو نماز سے پہلے والے کاموں کے بارے میں ہیں.

۱: وضوء اور غسل میں پانی کا اسراف کرنا:

عام حالت کا بیان:

بہت سے نمازی حضرات وضوء اور غسل کے دوران اسراف کرتے ہیں، وہ اس طرح کہ نلکے کو پورا کھول کر یا اچھی طرح بند نہ کرنے سے پانی ٹپک کر بہہ جاتا ہے.

نصیحت اور بیان:

پہلی بات: اسراف ہر چیز میں مذموم (برا) ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی نے اس سے منع فرمایا ہے! فرمایا:

﴿وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾﴿سورة الأنعام: ١٤١﴾.

ترجمہ: اسراف مت کرو بیشک وہ اسراف کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا.

﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ ﴿سورة الأعراف: ٣١﴾.

ترجمہ: کھاؤ، پیو اور اسراف مت کرو بیشک وہ اسراف کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا.

اور نہی جب مطلق ہو تو یہ حرمت پر دلالت کرتی ہے، (تنبیہ): اے نمازی احتیاط کر اللہ جل جلالہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا.

دوسری بات: وضوء اور غسل میں اسراف کرنا ان دو آیتوں کے عموم میں داخل ہونے کیساتھ بعض نصوص (دلائل) مخصوصہ سے بھی وضوء میں اسراف کرنا ممنوع ہے.

ان دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے:

﴿مَا رَوَاهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمرو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ وهُوَ يَتَوَضَّأُ، فَقَالَ: مَا هٰذَا السَّرَفُ يَا سَعْدُ؟ قَالَ: أَ فِي الْوُضُوْءِ سَرَفٌ؟ قَالَ: نَعَمْ: وإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهْرٍ جَارٍ﴾[1].

---

(١) رواه ابن ماجة، الحديث ٤٢٥.

ترجمہ: وہ روایت جو عبد اللہ بن عمر العاص سے مروی ہے: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور وہ وضوء کر رہے تھے تو فرمایا: اے سعد رضی اللہ عنہ، اتنا اسراف کیوں؟ تو سعد رضی اللہ عنہ نے کہا، کیا وضوء میں بھی اسراف ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جی ہاں، اگر چہ تم جاری نہر پر کیوں نہ ہو.

ان دلائل میں سے دوسری دلیل یہ ہے:

﴿مَا رَوَاهُ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ رَجُلًا يَتَوَضَّأُ، فَقَالَ لَا تُسْرِفْ، ولا تُسْرِفْ»﴾(١).

ترجمہ: وہ روایت جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو وضوء کر رہا تھا تو فرمایا: اسراف مت کرو، اسراف مت کرو.

---

(١)رواه ابن ماجة، الحديث: ٢٥٤.

تیسری بات: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سے زیادہ مرتبہ کسی بھی اعضاء کے دھونے کو خلاف سنت قرار دیا ہے، اس لئے کہ یہ اسراف میں داخل ہے۔

﴿فَعَنْ عَمرو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّه، قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ، فَسَأَلَهُ عَنِ الْوُضُوْءِ؟ فَأَرَاه ثَلَاثًا ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: هٰذَا الْوُضُوْءُ، فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْأَسَاءَ وتَعَدّٰى أو ظَلَمَ﴾[1].

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ (اپنے والد یعنی عمرو بن شعیب کے) دادا سے روایت کرتے ہیں فرمایا: ایک دیہاتی حضور پاک کی خدمت میں حاضر ہوا، اور وضوء کے بارے میں پوچھا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین تین دفعہ سکھایا، پھر فرمایا: یہ وضوء ہے پس جس نے اس سے زیادہ کیا اُس نے براکیااور حد سے تجاوز کیا یا ظلم کیا۔

چوتھی بات: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضوء میں اسراف کرنا شیطان کے وسوسوں میں سے ہے۔

﴿فَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ: «إِنَّ لِلْوُضُوْءِ شَيْطَانًا يُقَالُ لَهُ: وَلْهَانٌ، فَاتَّقُوا وَسْوَاسَ الْمَاءِ»﴾.

ترجمہ: ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک وضوء کیلئے ایک شیطان مقرر ہے، جسکو ولہان کہا جاتا ہے، تو پانی کے وسوسوں سے بچوں۔

پانی کے وسوسوں سے مراد یہ ہے، کہ وضوء، استنجاء اور اسی طرح غسل میں پانی کو زیادہ بہانا۔

پانچویں بات: اردن کے دار الافتاء کا فتویٰ:

اپنی مملوک پانی میں اسراف کرنا مکروہ ہے، اور وقف شدہ پانی میں اسراف کرنا حرام ہے، اس لئے کہ وقف شدہ پانی کو بقدر ضرورت استعمال کرنے کی اجازت ہے، اور اسی طرح کسی اور کا پانی انکے رضاء کے بغیر استعمال کرنا حرام ہے۔

---

(١) رواه ابن ماجة، الحديث: ٤٢٢.

عنوان نمبر ۲: باجماعت نمازوں میں بغیر شرعی عذر سے سستی کرنا:

عام حالت کا بیان:

بعض نمازی حضرات، خاص کر نوجوان طبقہ باجماعت نماز میں بغیر شرعی سبب یا غیر ضروری وجہ سے جیساکہ کرکٹ یا ان جیسے کھیلوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے سستی کرتے ہیں.

نصیحت اور بیان:

ان لوگوں کیلئے میں زیادہ لمبا چوڑا نصیحت کا قائل نہیں ہوں، مگر وہ احادیث ضرور ذکر کروں گا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں سخت وعید سنائی ہے، یعنی جو جان بوجھ کر باجماعت نماز چھوڑتے ہیں.

صاحب الدرر السنیۃ نے وہ احادیث اس نہج پر ذکر کئے ہیں:

﴿لَقَدْ هَمَمْتُ أنْ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَتُقَامَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إلٰى مَنَازِلِ قَوْمٍ لَا يَشْهَدُوْنَ الصَّلَاةَ، فأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ﴾ {الراوي: أبو هريرة: المحدث: البخاري،: المصدر: صحيح البخاري}.

ترجمہ: میرا ارادہ ہے کہ نماز کا حکم کروں تو نماز قائم ہو جائے پھر ان لوگوں کے رہائش گاہوں کی طرف جاؤں جو باجماعت نماز میں حاضر نہیں ہوتے ان کے گھروں کو جلادوں.

﴿إنَّ أثْقَلَ صَلَاةٍ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وصَلَاةُ الْفَجْرِ، ولَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لأَتَوْهُمَا ولَوْ حَبْوًا، وَلَقَدْ هَمَمْتُ أنْ آمُرَ بِالصَّلَاةِ، فتُقَامَ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، ثُمَّ أنْطَلِقَ مَعِي بِرِجَالٍ مَعَهُمْ حُزَمٌ مِّنْ حَطَبٍ إلٰى قَوْمٍ لَا يَشْهَدُوْنَ الصَّلَاةَ، فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ بِالنَّارِ﴾ {الراوي: أبو هريرة، المحدث: مسلم، المصدر: صحيح مسلم، الصفحة أو الرقم: ٦٥١، خلاصة حكم المحدث: [صحيح] شرح الحديث}.

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ‹‹منافقوں پر سب سے بھاری نماز عشاء اور فجر کی نماز ہے اور اگر انہیں ان نمازوں کے ثواب کا اندازہ ہو جاتا، تو گھٹنوں کے بل چل کر آتے، میرا تو پختہ ارادہ ہوگیا تھا کہ مؤذن سے کہوں کہ وہ تکبیر کہے، پھر میں کسی کو نماز پڑھانے کے لئے کہوں اور اپنے ہمراہ کچھ لوگوں کو لے چلوں، جن کے ساتھ آگ جلانے کی لکڑیاں ہو، پھر باجماعت نماز سے پیچھے رہنے والوں کے پاس جاؤں اور ان کے گھروں کو ان کے سمیت نذر جلادوں››.

﴿أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ، فَيُحْطَبَ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ، فَيُؤَذَّنَ لَهَا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ، فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ، أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِيْنًا، أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ، لَشَهِدَ الْعِشَاءَ﴾{الراوي: أبو هريرة، المحدث: البخاري، المصدر: صحيح البخاري، الصفحة أو الرقم: ٦٤٤، خلاصة حكم المحدث: [صحيح] شرح الحديث}.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راویت ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں نے ارادہ کیا (کسی خادم کو) لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں اور جب لکڑیاں جمع ہو جائیں تو (عشاء) کی نماز کے لئے اذان کہنے کا حکم دوں اور جب اذان ہو جائے تو لوگوں کو نماز پڑھانے کے لئے کسی آدمی کو مامور کروں اور پھر میں ان لوگوں کی طرف جاؤں (جو بغیر کسی عذر کے نماز کے لئے جماعت میں نہیں آتے) اور ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں: (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا:) ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور ان لوگوں کے گھروں کو جلادوں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے (جو لوگ نماز کے لئے جماعت میں شریک نہیں ہوتے ان

میں سے) اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ (مسجد میں) گوشت کی فربہ ہڈی، بلکہ گائے یا بکری کے دو اچھے کھر مل جائیں گے تو عشاء کی نمازیں میں حاضر ہوں.

﴿يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ، لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ فِتْيَانِيْ، فَيَحزِموا حَطَبًا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا يَؤُمَّ النَّاسَ، فأحَرِّقَ عَلٰى قَوْمٍ بُيُوْتَهُمْ، لَا يَشْهَدُوْنَ الْجُمُعَةَ﴾[1] {الراوي: عبد الله بن مسعود، المحدث: شعيب الأرناؤوط، المصدر: تخريج المسند، الصفحة أو الرقم: ٤٢٩٧، خلاصة حكم المحدث: صحيح}.

ترجمہ: جو لوگ جمعہ کے دن تاخیر کرتے ہیں، تو میں ارادہ رکھتا ہوں کہ نوجوانوں کو حکم کروں کہ وہ لکڑیاں جمع کریں پھر ایک شخص لوگوں کی امامت کروائیں اور میں ان پر جو جمعہ کی نماز میں حاضر نہیں ہوتے ان کے گھروں کو جلادوں.

---

(١) موقع (الدرر السنية).

عنوان نمبر ۳: جمعہ کے دن مسجد جانے میں تاخیر کرنا:

عام حالت:

بہت سے نمازی حضرات جمعہ کے دن مسجد جانے میں تاخیر کرتے ہیں، یا تو خطبے کی ابتداء میں آتے ہیں یا درمیان میں اور یا آخر میں اور کبھی کبھار تو نماز شروع ہوتے ہی مسجد میں داخل ہوتے ہیں.

نصیحت اور بیان:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعے کی نماز کیلئے جلدی جانے کی بڑی تاکید فرمائی ہے اگر کوئی شرعی عذر نہ ہو.

﴿فقد روى البخاري ومسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه: أَنَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: مَنِ اغتسلَ يوم الجمعة غُسْلَ الجِنَابة ثُمَّ رَاحَ، فكأنَّمَا قرَّب بَدَنَةً، ومن راح في الساعة الثانية فكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، ومن راح في الساعة الثالثة فكأنما قرب كَبْشًا أقْرَنَ، ومن راح في الساعة الرابعة فكأنما قرب دجاجة، ومن راح في الساعة الخامسة فكأنما قرب بيضة، **فإذا** خرج الامام حضرت الملائكة يستمعون الذكر﴾[(۱)].

ترجمہ: بخاری اور مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا! کہ جو شخص جمعہ کے دن اہتمام کے ساتھ غسل کرتا ہے، پھر پہلی فرصت میں مسجد جاتا ہے، تو گویا اس نے اللہ جل جلالہ کی خوشنودی کیلئے اونٹنی قربان کی، جو دوسری فرصت میں مسجد جاتا ہے گویا اس نے گائے قربان کی، جو تیسرے فرصت میں مسجد جاتا ہے گویا اس نے مینڈھا قربان کیا، جو چوتھی فرصت میں مسجد جاتا ہے گویا اس نے مرغی قربان کی، جو پانچویں فرصت میں مسجد جاتا ہے گویا اس نے انڈے کا صدقہ دیکر اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کی، پھر جب امام خطبہ کیلئے آتا ہے، تو فرشتے خطبہ میں شریک ہو کر خطبہ سننے لگتے ہیں.

---

(۱) البخاري: ۸۸۱، ومسلم: ۸۵۰.

﴿وروى البخاري عن أبي هريرة رضي الله عنه أيضا: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إِذا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ بَابٍ مِن أَبْوابِ الْمَسْجِدِ الملائكة يكتبون الأَوَّلَ فالأول، فاذا جلس الامام طووا الصحف وجاؤوا يستمعون الذكر﴾[1].

ترجمہ: اور بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کیا ہے! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے ہر دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں، پہلے آنے والے کا نام پہلے، اس کے بعد آنے والے کا نام اس کے بعد لکھتے ہیں (اسی طرح آنے والوں کے نام ان کے آنے کی ترتیب سے لکھتے رہتے ہیں) اور جب امام صاحب خطبہ دینے کیلئے آتا ہے، تو فرشتے اپنے رجسٹر (جن میں آنے والوں کے نام لکھے گئے ہیں) لپیٹ دیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

تو پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن مسجد جلدی جانا ہی موجب اجر ہے، مقصد یہ ہے کہ نمازی کا اجر جلدی جانے سے ہی زیادہ ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اونٹ کا صدقہ گائے کی صدقے سے بہت افضل ہے اور اسی طرح گائے کا مینڈھا سے اسی ترتیب سے جو مذکورہ حدیث میں ذکر ہوا۔

دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں، کہ فرشتے حاضری لکھتے رہتے ہیں اور جب خطبہ شروع ہوتا ہے، تو فرشتے اپنے رجسٹر لپیٹ کرکے خطبہ سننے کیلئے بیٹھ جاتے ہیں۔

تو اس نمازی کیلئے سوچنا چاہئے جو خطبہ شروع ہوتے ہی یا دورانِ خطبہ آ جاتا ہے، وہ کیا صدقہ کرے گا اور کیا وہ سویرے آنے والوں جیسا اجر حاصل کرے گا؟

اعتراض:

کبھی یہ سؤال ہوتا ہے: کہ مساجد جمعے کے دن نماز سے گھنٹہ یا کچھ دیر پہلے کھولے جاتے ہیں، تو سویرے جانے کے کیا معنیٰ؟

---

(١) البخاري: ٩٢٩، ومسلم: ٨٥٠.

جواب:

حدیث شریف میں جو جلدی جانے کا تذکرہ ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ جلدی سے جا کر مسجد میں داخل ہو جائے اگر تاخیر کرنے کیلئے کوئی مانع نہ ہو، اور اس سے مراد ہمارے متعارف اوقات نہیں۔

پس جب بھی نمازی کو معلوم ہو جائے کہ ابھی دروازہ کھل گیا ہے، تو جانے میں جلدی کرنی چاہئے اور اس کی طرف اشارہ ہے اس قول سے (يكتبون الأوَّلَ فالأول) **ترجمہ:** (جو پہلے آئے اس کو پہلے لکھ دیتے ہیں) اور ہر علاقے میں اس کی نسبت سے یہ اوقات شروع ہو جاتے ہیں۔

نمازی کا اپنی گاڑی کھڑی کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی حضرات یا تو نماز میں شامل ہونے کے ارادے سے یا کسی اور ارادے کی وجہ سے گاڑی کو ایسی جگہ پر کھڑی کر دیتے ہیں جس سے راستہ تنگ ہو جاتا ہے باوجود اسکے کہ خالی جگہیں گاڑی کھڑی کرنے کیلئے مختص ہو چکی ہوتی ہیں۔

اس طرح گاڑی پارک کرنے کیلئے مختلف صورتیں ہوتی ہیں:

پہلی صورت: سنگل راستے میں گاڑی کھڑی کرنا جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہو۔

دوسری صورت: بعض حضرات میدان کے دروازے میں گاڑی کھڑی کر دیتے ہیں جس سے آنے جانے والوں کو تکلیف ہو۔

تیسری صورت: بعض اوقات ایک جگہ جو وقتی طور پر بند ہو چکی ہو اسکے دروازے میں گاڑی کھڑی کرنا۔

چوتھی صورت: ممنوع جگہوں پر گاڑی کھڑی کرنا جو علامات اور رنگ سے فٹ پاتھوں پر معلوم ہو جاتے ہیں۔

مجھے معلوم ہے کہ کچھ راستے جو مسجد کے ارد گرد ہوتے ہیں نمازی حضرات اس میں گاڑیاں کھڑی کرکے راستے کو بند کردیتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

یہ تمام صورتیں حرام ہیں اس لئے کہ اس میں لوگوں کو تکلیف دینا ہے، اور دوسروں کو تکلیف دینا ظلم ہے اور بہت سی قرآنی آیات اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ دوسروں کو تکلیف دینا حرام ہے.

ان میں سے بعض دلائل یہ ہیں:

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:﴿وَلَا تَعْتَدُوْا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ المائدة: ٨٧.

ترجمہ: حد سے تجاوز (ظلم) مت کرو بیشک وہ زیادتی اور ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا.

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوْا﴾ البقرة: ٢٣١.

ترجمہ: اور انہیں ستانے کی خاطر اس لئے روک کر نہ رکھو کہ ان پر ظلم کرسکو.

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:﴿لا تضارَّ وَالِدَةٌ بِوَلِدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَهُ بِوَلِدِهِ﴾ البقرة: ٢٣٣.

ترجمہ: ماں، باپ کو بچے کی ذریعہ سے ضرر نہیں دیا جائے گا.

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:﴿وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيْدٌ﴾ البقرة: ٢٨٢.

ترجمہ: لکھنے والے اور گواہی کرنے والے کو ضرر نہیں دیا جائے گا.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:﴿لا ضرر ولا ضرار، من ضار ضاره الله، ومن شاق شاق الله عليه﴾(١).

ترجمہ: کہ اسلام کا حکم یہ ہے کہ نہ اپنے آپ کو ضرر میں ڈالنا ہے نہ دوسروں کو ضرر دینا ہے، جس نے کسی کو ضرر دیا اللہ رب العزت ان کو ضرر دے گا، جس نے کسی پر سختی کی اللہ رب العزت انکو سختی میں ڈالے گا.

---

(١) رواه الحاكم: وهو صحيح على شرط مسلم.

بعض اوقات نمازی کو گاڑی کھڑی کرنے کے وقت کسی تکلیف کا تصور نہیں ہوتا، اور بسا اوقات یہی فعل کسی کے ساتھ مدد کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے، جیسا کہ مریض کی مدد کرنا، یا آگ کو بجھانا یا کسی اور قسم کی کسی کیساتھ مدد کرنا.

اور کبھی یہ ایمبولینس یا آگ بجھانے والی گاڑی کیلیئے رکاوٹ بن جاتی ہے، اور کبھی وقتی طور پر بند دروازہ ہنگامی صورتوں میں اچانک کھولنے کی ضرورت پڑسکتی ہے، اور نمازی کا اُدھر گاڑی کھڑی کرنا اسمیں رکاوٹ بن جاتی ہے، تو یہ گناہ اس پر بھاری ہو جاتی ہے.

اور کبھی اس طرح گاڑی کھڑی کرنا بڑے حادثے کا سبب بن جاتا ہے، جیسا کہ مریض کا فوت ہو جانا یا گھر کو آگ لگنا وغیرہ، یہ بات تو ایک جانب ہے، لیکن دوسری جانب اس میں دوسروں کو تکلیف دینا ہے، اور راستے کا حق کو پامال کرنا ہے اور ہمیں راستے کا حق دینے کا حکم ہوا ہے.

﴿فعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إياكم والجلوس على الطرقات، فقالوا: ما لنا بُدٌّ، إنما هي مجالسنا نتحدث فيها، قال: أبيتم إلا المجالس فأعطوا الطريق حقها، قالوا: وما حق الطريق، قال: غضُّ البصر، وكف الأذى، ورد السلام، وأمر بالمعروف، ونهي عن المنكر﴾[1].

ترجمہ: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، فرمایا: راستوں میں بیٹھنے سے اجتناب کرو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہمارے لئے اس سے چارہ نہیں یہ ہمارے مجالس ہیں ہم اس میں باتیں کرتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم نہیں مانتے تو راستے کے حقوق اداء کرو، فرمایا صحابہ نے راستے کا کیا حق ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر کو نیچے رکھنا، تکلیف نہ دینا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم کرنا اور بری کام سے منع کرنا.

(١) البخاري، رقم الحديث: ٢٤٦٥.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیف نہ دینے کو راستے کے حقوق میں سے قرار دیا ہے، اور گاڑی راستے میں کھڑی کرنا لوگوں کیلئے تکلیف دہ ہے اور راستہ بند کرنا حرام ہے، اور باجماعت نماز پڑھنا سنت ہے، تو اس سنت کو کرنے میں کیا فائدہ ہوگا جس سے انسان حرام فعل کا مرتکب بن جاتا ہے، جیسا کہ حجر اسود کو چومنا سنت عمل ہے لیکن جب اسمیں لوگوں کو تکلیف دینا ہو تو چھوڑنا بہتر ہے.

نماز میں امام کے ساتھ شریک ہونے کیلئے نمازی اس طرح گاڑی کھڑی کر دیتا ہے، حالانکہ اسکی ضرورت نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمہ داری لی ہے اس شخص کی جو ایک رکعت امام کیساتھ پڑھ لے تو اسکو پوری جماعت کا ثواب مل جائے گا.

﴿من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك الصلاة﴾[1].

ترجمہ: جس نے ایک رکعت نماز پالی یقینا اس نے پوری نماز پالی.

عنوان نمبر۵: جوتوں کو اپنے مخصوص جگہوں میں نہ رکھنا.

عام صورتحال:

بعض نمازی جوتوں کو اپنے مخصوص جگہوں میں نہیں رکھتے، اور عجیب بات یہ کہ یا تو ان مخصوص جگہوں کے قریب رکھتے ہیں یا زمین پر رکھتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

اسلام ایک مرتب نظام حیات ہے ہر چیز میں ترتیب کو لازمی قرار دینے کا درس دیتا ہے، تو نمازی کیلئے مناسب یہ ہے کہ جوتوں کو اِدھر اُدھر رکھنے کے بجائے مخصوص جگہوں پر رکھے.

عنوان نمبر٦: مائع نجاست جب کپڑے بدن یا بستر پر خشک ہو جائے تو کیا یہ انکی پاکی کی دلیل ہے؟

عام صورتحال:

بعض نمازی یہ گمان کرتے ہیں کہ جب مائع نجاست کپڑے بدن یا بستر کو لگ جائے اور پھر وہ نجاست خشک ہو جائے تو یہ پاک ہو جاتے ہیں.

---

(١) البخاري - ٥٨٠، ومسلم - ٦٠٧.

وعظ اور نصیحت:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ مائع نجاست جیسا کہ پیشاب وغیرہ سورج سے خشک ہو جائے، تو عراقیین کے نزدیک قطعی مذہب عدم پاکی کا ہے.

اور اس سے معلوم ہوا کہ خشک ہونا فقط کافی نہیں بلکہ نجاست کا ختم ہونا بھی ضروری ہے.

احناف کے نزدیک خشک کرنے کیلئے جو چیزیں ہیں یعنی سورج، ہواء، آگ یہ پاک کرنے کے لئے ذرائع تو ہیں، لیکن یہ صرف زمین اور جو چیزیں زمین سے حاصل ہوتی ہیں ان کیلئے پاکی کے ذرائع ہیں اور انکے علاوہ دوسری چیزیں، جیسے کپڑہ وغیرہ، تو سورج، ہواء وغیرہ اسکو خشک تو کر سکتا ہے لیکن پاک نہیں کر سکتا، لہٰذا پاک ہونے کیلئے دھونا ضروری ہے.

بحر رائق نے ص۲۳۷، جلد۱، میں فرمایا: کہ زمین جب خشک ہو جائے تو صرف نماز اس پر جائز ہے نہ کہ تیمّم، مقصد یہ ہیکہ جب زمین خشک ہو جائے اور نجاست کا اثر زائل ہو جائے، تو نماز اس پر جائز ہے نہ کہ تیمّم، یہاں زمین کو الگ کیا ہے بدن، چٹائی، کپڑے وغیرہ سے کیونکہ یہ خشک ہونے سے بالکل پاک نہیں ہوتے.

پاکی کے حکم میں زمین کیساتھ ہر وہ چیز شامل ہے جو زمین کے جنس سے ہو جیسے کہ دیواریں، درختیں اور عام پودے وغیرہ، جب تک یہ چیزیں زمین پر قائم ہو، تو صحیح قول کی بناء پر یہ چیزیں خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہیں.

عنوان نمبر۷: بدبو کے ساتھ مسجد میں داخل ہونا:

عام صورتحال:

بعض نمازیوں سے مندرجہ ذیل اسبابوں کی وجہ سے بدبو آتی ہیں.

(۱) بدن کبھی نہیں دھوتے، یا غسل بہت طویل مدت کے بعد کرتے ہیں، تو اس وجہ سے انکے جسم سے بدبو آتی ہے.

---

(۱) موقع (الإسلام سؤال وجواب).

(۲) کبھی بدبو کپڑوں سے آتی ہے اور یہ اس لئے کہ ایسا کام کرتے ہیں جو بدبودار ہو، جیسا کہ گوشت فروخت کرنا یا ہوٹل میں کام کرنا وغیرہ.

(۳) لہسن یا پیاز وغیرہ کھانا، جو غیر مطبوخ (نہ پکی ہوئی ہو)، اگر پکی ہوئی ہوں تو کوئی حرج نہیں.

(۴) تمباکو نوشی وغیرہ.

(۵) گرمی میں جرابیں استعمال کرنا.

انکے علاوہ بھی بہت سے اسباب ہیں، جسکی وجہ سے انسان کے جسم سے بدبو آتی ہو.

وعظ اور نصیحت:

نمازی کیلئے مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے، جب بھی اس سے بدبو آتی ہو، کیونکہ اس سے باقی نمازی حضرات اور فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے.

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچی لہسن اور پیاز کھانے والوں کو مسجد میں آنے سے منع کیا ہے.

﴿فعن ابن عمر رضي الله عنهما أن النبي صلي الله عليه وسلم قال في غزوة خيبر: من أكل من هذه الشجرة ـ يعني الثوم ـ فلا يقربن المسجد﴾.[1]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر میں فرمایا: جس نے اس درخت یعنی لہسن سے کھایا تو وہ مسجد کے قریب نہ آئے.

﴿وسأل رجل أنسا رضي الله عنه: ما سمعت نبي الله في الثوم؟ فقال: قال النبي صلي الله عليه وسلم: من أكل من هذه الشجرة فلا يقربنا أو لا يصلين معنا﴾.[2]

---

(۱) البخاري: ۸۵۳.

(۲) البخاري: ۸۵٦.

ترجمہ: ایک شخص نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لہسن کے بارے میں کچھ سنا ہے، تو انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اس درخت سے کھایا تو وہ ہمارے نزدیک یا وہ ہمارے ساتھ نماز میں شریک نہ ہو۔

﴿وروي البخاري عن جابر بن عبد الله عنهما: أنه زعم أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أكل ثوما أو بصلا فليعتزلنا، أو فليعتزل مسجدنا، وليقعد في بيته﴾.[1]

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہے کہ اس نے خیال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے لہسن یا پیاز کھایا تو وہ ہم سے دور رہے یا ہمارے مسجد سے دور رہے اور اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لہسن اور پیاز کے بارے میں اتنی سختی کرنا اس لئے ہے کہ اس سے جو بدبو آتی ہے وہ نمازیوں اور فرشتوں کیلئے تکلیف دہ ہے، اور اس حکم میں ہر وہ چیز داخل ہے جو بدبو کا سبب ہو۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ اس نہی کی علت فرشتوں اور نمازیوں کو تکلیف دینا ہے[2]۔

عنوان نمبر ۸: نماز میں شریک ہونے کیلئے تیزی سے چلنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی حضرات امام کیساتھ شریک ہونے کیلئے بہت تیزی سے قدم اٹھا کر چلتے ہیں، چاہے مسجد کے اندر ہو یا مسجد سے باہر ہو۔

---

(۱) البخاري: ۸۵۵.

(۲) فتح الباري: ۲/ ۴۴۳.

وعظ اور نصیحت:

اتنی تیزی کرنا خلاف سنت ہے، بلکہ عام طبعی رفتار سے کام لینا چاہیئے، اور جتنی رکعت امام کیساتھ مل جائے، تو پڑھ لے اور باقی سلام کے بعد پورا کرلے۔

﴿فعن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا سمعتم الإقامة فامشوا إلى الصلاة، وعليكم بالسكينة والوقار، ولا تسرعوا، فما أدركتم فصلوا، وما فاتكم فأتموا﴾.(1)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ جب تم اقامت سنو تو نماز کیلئے سکون اور اطمینان کیساتھ جاؤ جو مل جائے پڑھ لو اور جو چھوٹ جائے اسے پورا کرلو۔

﴿سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا أتيتم الصلاة فلا تأتوها تَسْعَوْن، وأتوها تمشون وعليكم بالسكينة، فما أدركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا﴾.(2)

ترجمہ: امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کیا ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو فرماتے تھے کہ: (نماز کیلئے دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ اطمینان کیساتھ نماز کیلئے آؤ جو مل جائے امام کیساتھ پڑھ لو اور جو رہ جائے تو پورا کرلو۔

علماء کرام کی وضاحتیں:

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کیلئے اطمینان کیساتھ آنے کا حکم کیا(3)۔

---

(۱) البخاري: ٦٣٦.

(۲) مسلم: ١٥١.

(۳) الأم: ١/٤٠٦.

امام صنعانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں سکون کا حکم اور نماز کیلئے تیزی سے نہ جانے کا حکم کیا ہے،[1] سبل السلام ص ۳۰۲.

امام سہارنپوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نماز کیلئے دوڑتے ہوئے نہ آؤ، اگرچہ تم کو نماز فوت ہونے کا خدشہ ہو، بلکہ اطمینان اور سکون کیساتھ آؤ.[2]

بہوتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز کیلئے اطمینان کیساتھ آنا مستحب ہے[3].

ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا اس شخص کے بارے میں جو نماز کیلئے دوڑتے ہوئے آتا ہو، کچھ لوگوں نے ان پر اعتراض کیا کہ اپنے طبعی چلنے سے آؤ، تو اس شخص نے رد کیا اور کہا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾، فما الصواب؟

ترجمہ: اے ایمان والوں جب جمعہ کے دن نماز کیلئے آذان دی جائے تو ذکر الہی کی طرف جلدی کرو، تو صحیح قول کونسا ہے؟

جواب: آیت میں سعی سے مراد دوڑنا نہیں، اس لئے کہ صحیح روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (نماز کیلئے دوڑتے ہوئے نہ آؤ، بلکہ اطمینان وسکون کیساتھ آؤ)[4].

اور اس قول سے مراد (فاسعوا) یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کیلئے جاؤ خرید وفروخت اور جو چیز جمعہ سے مشغول کرتی ہیں اس کو چھوڑو.

ابن باز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جلدی کرنا اور دوڑنا ایک مکروہ کام ہے اور غیر مناسب بھی، سنت یہ ہے کہ آدمی اطمینان، خشوع اور طبعی چلنے سے آجائے یہاں تک کہ صف میں پہنچ جائے[5].

---

(۱) الأم: ۴۰۶/۱.

(۲) بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد ۴۲۲/۳، ۴۲۳.

(۳) كشاف القناع ۳۲۵/۱.

(۴) الفتاوى الكبرى: ۱۴۰/۱.

(۵) مجموع فتاوى ابن باز ۱۴۵/۳۰.

امید ہے کہ نمازی کو (تنبیہ مل چکی ہوگی) کہ دوڑنے سے منع اس لئے ہے کہ نمازی اللہ جل جلالہ کے حضور میں کھڑا ہوتا ہے، تو اعلی درجے کا اطمینان اور سکون اس پر لازم ہے، جیسا کہ ایک عام شخص جو تمہارا اقدر اور احترام کرتا ہو، تو تم کتنے اطمینان سے انہیں جاملتے ہو، تو اللہ جل جلالہ جو تمام مخلوقات کا رب ہے ان کے سامنے اطمینان اور سکون کیساتھ کھڑا ہونا واجب ہے.

بعض علماء کے نزدیک جو شخص دوڑتے ہوئے آتا ہے اگر وہ گرجائے اور فوت ہوجائے تو یہ گنہگار ہوگا اس لئے کہ اس نے خلاف سنت کام کیا.

اور اس جلدی کا کیا مقصد (ای نمازی بھائی) حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس نمازی کی ذمہ داری لی ہے جو صرف ایک رکعت میں بھی امام کیساتھ شریک ہوجائے، تو اس نے اس شخص کی فضیلت اور اجر حاصل کی جو امام کیساتھ نماز کی پہلی رکعت سے شریک ہو.

﴿من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك الصلاة﴾. **ترجمہ:** جس نے ایک رکعت نماز پالی یقیناً اس نے پوری نماز پالی.

عنوان نمبر۹: پہلے صف جانے میں لوگوں کی گردنیں پلانگنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی حضرات تاخیر سے آتے ہوئے لوگوں کی گردنیں پلانگتے ہیں، اس لئے کہ پہلے صف میں پہنچ جائے، یا نماز ہونے کے بعد مسجد سے جلدی نکلنے کی وجہ سے لوگوں کی گردنیں پلانگ کرجاتا ہے، جبکہ نمازی حضرات سنتیں پڑھنے کیلئے صف بستہ ہوتے ہیں، تو لوگوں میں تفریق ڈال کر اور تنگ کرکے باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے، اور یہ فعل کبھی پہلے صف والے کو پیچھے کرنے کا سبب بن جاتا ہے، جو اسکے حق میں زیادتی اور ظلم ہے.

وعظ اور نصیحت:

لوگوں کی گردنیں پلانگنے کی دو صورتیں ہیں:

نمبرا: کبھی کبھار نمازی حضرات درمیان میں خالی جگہیں چھوڑ کر جس میں آگے جانا کوئی دشوار نہیں ہوتا ہے، اور لوگوں کو بھی کوئی تکلیف نہیں ہوتی، تو یہ ایک اچھا کام ہے کہ پہلی صف پورا کرکے خالی جگہیں نہ چھوڑی جائیں.

اگر ایک خالی جگہ رہ جاتی ہے، جو نماز میں بھی خالی رہنے کا خدشہ ہو تو ایسی صورت میں وہ آگے کی جگہ پُر کرنا ایک ضروری امر ہے اور یہ ان بیٹھنے والوں کا اپنے اوپر خود جنایت کرنا ہے، کہ وہ صف میں خالی جگہیں چھوڑ دیتے ہیں.

لیکن میری رائے یہ ہے کہ کبھی وہ خالی جگہ کسی سبب سے چھوڑا جاتا ہے، جیسا کہ تنگی کی وجہ سے پھر بعد میں وہ جگہ اسی طرح کھلا رہتا ہے، تو عام حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان کو ایسا چھوڑنا ہی بہتر ہے ہاں اگر لوگوں سے اجازت لی جائے تو کوئی بات نہیں. (۱)

دوسری صورت: کوئی خالی جگہ نہ ہو پھر بھی لوگوں کی گردنیں پلانگ کرکے آگے جانا چاہے تو حرام ہے.

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کے دوران آگے آنے کیلئے لوگوں کی گردنیں پلانگ رہا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بیٹھ جاؤ تم نے تکلیف دیا) (۲).

تو آگے آنے کا سبب اور علت لوگوں کو تکلیف دینا ہے اگر یہ نہ ہو (جیسا کہ پہلی صورت میں گزرا) تو ممنوع نہیں.

---

(۱) موقع (الإسلام سؤال وجواب).

(۲) أبو داؤد ـ ۱۱۸ ـ والنسائي ـ ۱۳۹۹ ـ وابن ماجة ـ ۱۱۱۵.

عنوان نمبر۱۰: جمعہ کے دن نماز اور خطبہ سے پہلے لوگوں کا منتشر بیٹھنا:

عام صورتحال:

نمازیوں کو جمعے کے دن اِدھر اُدھر بیٹھنا ہی خالی جگہوں کیلئے سبب بن جاتا ہے، تو جب نمازی خالی جگہ دیکھ لیتا ہے، تو لوگوں کی گردنیں پلانگ کرکے وہاں پہنچ جاتا ہے، بعض نمازی حضرات دائیں بائیں طرف بیٹھ کر یا ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں، اور کبھی ٹیک لگانے سے قبلہ کی طرف پشت کرکے بیٹھ جاتے ہیں بغیر کسی عذر کی وجہ سے.

وعظ اور نصیحت:

منتشر بیٹھنا ہی گردنیں پلانگنے کا سبب بن جاتا ہے، تو بیٹھنے میں پہلی صفوں کو پوری کرکے ترتیب سے بیٹھنا چاہیئے، اور گردنیں پلانگنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے.

﴿روى أبو داوٗد والنسائي وابن ماجة عن عبد الله بن بُسر رضي الله عنه قال: جاء رجل يتخطي رقاب الناس يوم الجمعة والنبي صلى الله عليه وسلم يخطب، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: إجلس فقد أذيت﴾[1].

ترجمہ: ابو داوٗد ونسائی وابن ماجہ نے حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہ ایک شخص جمعہ کے دن خطبہ کے دوران لوگوں کی گردنیں پامال کرکے جارہا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بیٹھ جاؤ تم نے تکلیف دیا).

یہاں پر انتباہ ضروری ہے کہ گردنیں پلانگنا اس وقت منع ہے جبکہ اس سے لوگوں کو تکلیف ہو اگر کوئی تکلیف نہ ہو (جیسا کہ (۹) نمبر عنوان کے تحت تفصیل کیساتھ گزرچکا ہے) تو ممنوع نہیں اور ٹیک لگانا اگر چہ منع نہیں ہے لیکن افضل یہ ہے کہ نمازی قبلہ رخ کرکے بیٹھے.

---

(۱) أبو داوٗد ـ ۱۱۱۸ ـ والنسائي ۱۳۹۹ ـ ابن ماجه ۱۱۱۵.

عنوان نمبر۱۱: خطبہ کے دوران باتیں کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی حضرات خطبہ کے دوران اپنے قریب ساتھی یا کسی اور سے باتیں کرتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

خطبہ کے وقت باتیں کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ خطبہ کے دوران چپ بیٹھنا واجب ہے، تو نہ سراً (آہستہ) نہ جہراً (بلند آواز کیساتھ) باتیں جائز ہے، ہاں اگر ضرورت ہو تو اور بات ہے، جیساکہ نابینا کو گرنے سے بچانا وغیرہ.

﴿روى أبو هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا قلتَ لصاحبك يوم الجمعة: ـ أنصِتْ ـ والامام يخطب فقد لغوتَ﴾.(١)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن اگر کسی نے اپنے ساتھی کو دورانِ خطبہ صرف اَنْصِتْ (چُپ ہو جا) کا کلمہ بولا تو اُس نے عبث کام کیا.

دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے دوران باتیں کرنے والوں کیلئے سخت وعید بیان فرمائی ہے.

﴿فقد روى عن ابن عباس رضي الله عنهما حديث جاء فيه: والذي يقول له ـ أي للمتكلم أثناء الخطبة: أنصت ليست له جمعة﴾.(٢)

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جو شخص خطبہ کے وقت باتیں کرنے والے کو (انصت) (چپ ہو جاؤ) بولے تو اس کیلئے جمعہ نہیں ہے، یعنی اجر سے محروم ہو گیا، اور وہ فضیلت نہیں جو خطبہ سننے والوں کیلئے ثابت ہے اور ہرچہ نمازِ جمعہ ہے تو وہ ادا ہو جائیگی.

---

(١) البخاري ومسلم.

(٢) رواه أحمد بإسناد حسن.

سوچنا چاہئے کہ جو دوسرے کو فقط چپ ہونے کا بولے اس کیلئے جمعہ نہیں، تو جو اپنے اختیار سے باتیں کرتا ہو اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔[۱]

خطبہ کے وقت چپ بیٹھنے کی حکمت مذکورہ وجوہات کی بناء پر ہے واللہ اعلم:

(1) خطیب کے مواعظ اور احکام شرعیہ کو اچھی طرح سن کر اس سے فائدہ اٹھانا۔

(2) خطبہ کے وقت نمازیوں کو تشویش میں نہ ڈالنا۔

(3) خطبے کا احترام اور عزت کرنا۔

عنوان نمبر ۱۲: موبائل فون یا کسی اور چیز کے ساتھ خطبہ کے دوران کھیلنا۔

عام صورتحال:

اکثر نوجوان طبقہ خطبہ کے دوران موبائل میں اور بعض نمازی تسبیح میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

وعظ اور نصیحت:

خطبہ کے وقت کسی بھی چیز سے مشغول ہونا جائز نہیں، اس لئے خطبہ سننا واجب ہے، اور یہ دونوں خطبے دو رکعت فرض کے قائمقام ہیں، تو جیساکہ نماز کے دوران کسی چیز میں مشغول ہونا جائز نہیں، تو اسی طرح خطبہ میں بھی کسی چیز کیساتھ مصروف ہونا جائز نہیں۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ دونوں خطبے دو رکعت کے قائمقام ہیں تو ایک خطبے میں خلل ڈالنا ایسا ہے جیساکہ ایک رکعت میں خلل ڈالنا[۲]۔

شرح کبیر میں ہے: جمعہ کیلئے دو خطبے شرط ہیں یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ہے اور امام مالک، اوزاعی، اسحاق، ابن منذر، اصحاب الظواہر رحمہم اللہ فرماتے ہیں: کہ ایک خطبہ بھی کافی ہے اور اسی طرح امام احمد رح سے بھی منقول ہے کہ خطبہ اس طرح ہو، جیساکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا، یا مکمل خطبہ ہو۔

---

(۱) سبل السلام للصنعاني ص ۳۲۳.

(۲) المغني: ۳/ ۱۷۳.

اول قول کی وجہ:

﴿روى ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يخطب خطبتين وهو قائم يفصل بينهما بجلوس ــ متفق عليه وقد قال: صلوا كما رأيتموني أصلي﴾.

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے کھڑے ہو کر پڑھتے تھے، اور دونوں کے درمیان تھوڑا سا بیٹھ کر فاصلہ بھی رکھتے تھے.

اور فرمایا: کہ نماز پڑھو اسی طرح جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، یعنی میری طرح نماز پڑھو.

اور یہ دونوں خطبے دو رکعت فرض کے قائمقام ہیں تو ایک میں خلل ڈالنا ایسا ہے، جیسا کہ ایک رکعت میں خلل ڈالنا.[1]

اور بہت سے علماء کرام نے اس آیت ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ (سورۃ الاعراف: ۲۰۴)، کی تفسیر امام کیساتھ جہری نماز پڑھتے ہوئے سکوت کرنے اور خطبہ کے دوران چپ بیٹھنے سے کیا ہے.

ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ ابن جریر رحمہ اللہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن اور عید الفطر کے دن اور جمعہ کے دن اور ان نمازوں میں جس میں امام جہری قرات کرتا ہے تو ان میں چپ رہنا لازمی ہے اور بہت سے احادیث میں خطبہ اور نماز کے دوران چپ رہنے کا حکم ہوا ہے.[2]

عنوان نمبر ۱۳: دوسرے خطبے کے دوران تحیۃ المسجد یا سنتیں پڑھنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی پہلے خطبے کے دوران مسجد میں آ کر بیٹھ جاتے ہیں تو جب امام صاحب دوسرے خطبے کیلئے کھڑا ہو جاتا ہے تو یہ شخص تحیۃ المسجد یا سنت پڑھنے کیلئے کھڑا ہو جاتا ہے.

---

(۱) الشرح الكبير لابن قدامه المقدسي: ۲/ ۱۸۱.

(۲) تفسير ابن كثير: ۲/ ۲٦٧.

وعظ اور نصیحت:

جب نمازی خطبے کے دوران آجائے تو مختصر سی دو رکعت تحیۃ المسجد کی نماز پڑھ کر (یعنی صرف فاتحہ اور ایک ایک مرتبہ تسبیح، رکوع اور سجدہ میں اور صرف تشہد پڑھ لے) خطبہ سننے کیلئے بیٹھ جائے.

اگر نمازی کو یاد تھا کہ میں نے تحیۃ المسجد نہیں پڑھی ہے اور پھر بھی بیٹھ گیا، تو اگر اس دوران امام صاحب نے خطبہ ثانیہ شروع کر دیا ہو تو اب اس نمازی کو بیٹھنا چاہیئے، اس لئے کہ خطبہ سننا لازمی ہے اور اگر بھول کر بیٹھ گیا تو جب بھی یاد آجائے تو چاہیئے کہ وہ پڑھ کر اپنا ذمہ فارغ کرلے.

عنوان نمبر ۱۴: نمازی کا سترہ:

سُترہ: سین کے پیش اور تاء کے سکون کیساتھ.

سترہ سجدے کی جگہ محدود کرنے کیلئے رکھا جاتا ہے.

عام صورتحال:

(۱) بعض نمازی سترہ واجب سمجھتے ہیں، اور عجیب بات یہ ہے کہ محراب کے اندر بھی رکھنا لازمی قرار دیتے ہیں، جیسا کہ میں نے خود دیکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ایک مسجد میں نماز پڑھی تو دیکھا کہ امام نے محراب میں لکڑی کا سترہ رکھا ہوا تھا، حالانکہ محراب تو محدود اور پہلے سے بند ہے وہاں کسی کے گزرنے کا کوئی تصور ہی نہیں.

(۲) بعض حضرات سترہ فقط وہ چیز رکھنا جائز سمجھتے ہیں، جس کی اونچائی ہو، کرسی یا کوئی لکڑی وغیرہ اور اپنے چہرے کے برابر ہی رکھتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

جمہور فقہاء کے نزدیک سترہ سنت مؤکدہ ہے نہ کہ واجب خواہ مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں، اور بعض وجوب کے قائل ہیں، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ سترہ رکھنا سنت مؤکدہ ہے، دوسری بات یہ ہے کہ سترہ کو دائیں یا بائیں طرف رکھنا چاہیئے نہ کہ چہرے کے برابر.

راجح قول کے مطابق (سترہ) کے سنت مؤکدہ ہونے پر دلیل:

(سترہ) کے بارے میں جو احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں (چاہے وہ صیغہ امر کیساتھ ہو یا صیغہ امر کے علاوہ کسی اور صیغہ کیساتھ ہو) وہ سب احادیث (سترہ) کے مستحب ہونے پر دلالت کرتے ہیں نہ کہ (سترہ) کے واجب ہونے پر اس لئے کہ دوسرے ایسے احادیث بھی موجود ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر (سترہ) کے بھی نماز پڑھی ہے، پس اگر (سترہ) واجب ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (سترہ) کو چھوڑ کر نماز ادا نہ کرتے۔

اُن احادیث میں سے ایک حدیث یہ ہے:

﴿روى البخاري عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه قال: أقبلتُ راكبا على حمار أتانٍ، وأنا يومئذ قد ناهزت الاحتلام، ورسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي بمنى إلى غير جدار﴾.[1]

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں گدھی پر سوار ہو کر آیا، اور میں ان دنوں میں قریب البلوغ تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منٰی میں دیوار کی طرف رُخ کئے بغیر نماز پڑھ رہے تھے۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس روایت کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ کلام نقل فرمایا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے کلام (الی غیر جدار) سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بغیر سترہ کے نماز پڑھنا مراد ہے۔[2]

اُن احادیث میں سے دوسری حدیث یہ ہے:

﴿ما نقله ابن عبد البر في الاستذكار عن أبي شيبة في مصنفه عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: صلى الله عليه وسلم في فضاء ليس بين يديه شيء﴾.

---

(١) رواه البخاري: ٤٩٣.

(٢) فتح الباري: ١/ ٧٣٩.

ترجمہ: ابن عبد البر رحمہ اللہ نے (استذکار) میں نقل کیا ہے اور انہوں نے یہ حدیث ابو شیبہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے اور انہوں نے اُسے اپنے مصنَّف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے فضاء میں نماز پڑھی اور ان کے سامنے بطور (سترہ) کے کوئی چیز نہیں تھی۔

اُن احادیث میں سے تیسری حدیث یہ ہے:

﴿ما رواه أبو داؤد عن الفضل بن العباس رضي الله عنهما قال: أتانا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن في بادية لنا ومعه عباس، فصلى في صحراء ليس بين يديه سترة، وحمارة لنا وكلبة تعبثان بين يديه فما بالى ذلك﴾.[1]

ترجمہ: ابو داؤد رحمہ اللہ نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائیں اور ہم اپنے دیہاتی علاقے میں تھے اور ان کے ساتھ عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحراء میں نماز پڑھی، ان کے سامنے (سترہ) نہیں تھا، ہماری ایک گدھی اور کتّیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھیل رہے تھے۔ اور انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

اُن احادیث میں سے چوتھی حدیث یہ ہے:

﴿ما رواه العيني قال: حدثنا يونس، ثنا سفيان عن كثير بن كثير، عن بعض أهله، سمع المطلب يقول: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يصلي مما يلي باب بني سهم، والناس يمرون بين يديه ليس بينه وبين القبلة شيء﴾.[2]

ترجمہ: علامہ عینی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ہم سے یونس نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا ہے، اور انہوں نے کثیر ابن کثیر سے اور انہوں نے اپنے بعض رشتہ داروں سے اور انہوں نے مطلب کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بنی سہم) کے دروازے

---

(١) سنن أبي داؤد: ٧١٨.

(٢) نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار ـ بدر الدين العيني ـ ١٢٩/٧.

کے قریب نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور لوگ ان کے سامنے سے گزر رہے تھے، ان کے اور قبلہ کے درمیان بطور سترہ کے کوئی چیز نصب نہیں تھی اور لوگوں کا یہ گزرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے کی جگہ سے تھا.

اور باب (بنی سہم) یہ کعبہ کے دروازوں میں سے ایک دروازہ تھا اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں نماز اداء فرمارہے تھے.

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ کوئی چیز بطور سترہ کے نصب اور کھڑی کردینا نماز کی صحت کیلئے شرط نہیں ہے، اگر سترہ نماز کی صحت کیلئے شرط ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ضرور سترہ نصب فرماتے.[1]

اور یہی حدیث (جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد) نامی کتاب میں بھی اِن الفاظ کیساتھ آئی ہے

(أن جدَّه رأى النبي صلى الله عليه وسلم يصلي مما يلي باب بني سهم والناس يمرون بين يديه وليس بينهما سترة). ترجمہ: (کہ اُن کے دادا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (بنی سہم) کے دروازے کے قریب نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور چونکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزر رہے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کے درمیان بطور سترہ کے کوئی چیز نصب نہیں تھی)[2].

اور جن علماء نے سترہ کو واجب کہا ہے تو انہوں نے صیغہ امر کو واجب پر محمول کیا ہے، جبکہ اُن احادیث میں جو گزرچکی ہے یہ بات صراحت کیساتھ معلوم ہوئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھار سترہ کو چھوڑدیا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کبھی کبھار یہ ترک کردینا سترہ کے مستحب ہونے پر دلالت کرتا ہے نہ کہ اس کے واجب ہونے پر.

بعض وہ احادیث جن سے سترہ کے واجب ہونے کے قائلین نے استدلال کیا ہے.

مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: کہ آپ سترہ کے بغیر نماز مت پڑھے، اسے روایت کیا ہے ابن خزیمہ نے:

---

(١) نخب الأفكار: ١٣٢/٧.

(٢) جمع الفوائد: ١/ ٢٦٤.

یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان (تم نماز مت پڑھو مگر سترہ کی طرف) جیسے حاکم نے روایت کیا ہے.

تو ممکن ہے کہ یہ روایات سترہ کے مسنون ہونے کی تاکید اور اسپر ابھارنے کیلئے ہو نہ کہ واجب ہونے کیلئے، اور اس صورت میں اِن روایات کی حیثیت وہی ہوگی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس قول اور ارشاد: کہ کہا انہوں نے اُن لوگوں سے کہ جنہیں بنی قریضہ کی طرف روانہ کرکے فرمایا تھا، کہ (تم عصر کی نماز بنی قریضہ میں جاکر ہی اداء کرنا) کیونکہ مقصود اِس ارشاد سے انہیں وہاں جلدی پہنچنے پر اُبھارنا تھا، کیونکہ بعض صحابہ نے بنو قریضہ پہنچنے سے قبل راستے میں ہی عصر کی نماز اداء فرمالی تھی، کیونکہ انہوں نے یہی سمجھا کہ مقصد جلدی پہنچنا ہے، اور بعض نے عصر کی نماز بنو قریضہ پہنچ کرہی اداء کرلی، اور جب یہ معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک کو بھی غلط نہیں کہا.

سترہ کے باب میں علماء کے اقوال:

ابن شیبہ رحمہ اللہ خالد بن ابی بکر سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ انہوں نے فرمایا: میں نے قاسم اور سالم کو دوران سفر سترہ کی طرف رُخ کئے بغیر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا.

اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ: میں نے حسن کو قبرستان میں سترہ کی طرف رُخ کئے بغیر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا.

اور انہوں نے فرمایا کہ: نمازی کے سترہ میں اصل استحباب ہے سنت کی پیروی کی وجہ سے[(١)].

ابن عبد البر رحمہ اللہ نے فرمایا: (سترہ نماز میں مسنون ہے)[(٢)].

اللجنة الدائمة في الرئاسة العامة للبحوث العلمية والافتاء في السعودية: کے فتاوی میں بھی یہ بات وضاحت کیساتھ نقل ہے کہ (سترہ کی طرف نماز پڑھنا سنت ہے چاہے حالت سفر میں ہو یا حالت قیام میں، چاہے فرض نماز ہو یا نفلی نماز ہو اور چاہے وہ نماز مسجد میں پڑھی جائے یا مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ میں) پس سترہ کے بابت تکلف سے پرہیز ہی مناسب ہے، کیونکہ شریعت بہت ہی نرم ہے جس کسی نے بھی امورِ دین

---

(١) الاستذكار لابن عبد البر: ٢/ ٥٧٨ ـ ٥٧٩.

(٢) الكافي في الفقه على مذهب أهل المدينة ١/ ٧٤.

میں سختی سے کام لیا ہے بالآخر وہ مغلوب ہی ہوا ہے، اس لئے کہ سترہ کا حکم استحباب کیلئے ہے نہ کہ واجب ہونے کیلئے، کیونکہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں لوگوں کو باجماعت نماز پڑھائی کسی دیوار یعنی سترہ کی طرف رُخ کئے بغیر، اور اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز بطور سترہ کے نصب کرنا اور گاڑنا ثابت نہیں ہے. [۱]

اور شیخ عبدالسلام بسام نے فرمایا: سترہ رکھنا تمام فقہاء کے نزدیک سنت ہے نہ کہ واجب، اس لئے کہ سترہ کا حکم استحباب کیلئے ہے، کیونکہ سترہ نہ ہونے کی وجہ سے نماز کا باطل ہونا لازم نہیں آتا، اور اس لئے بھی کہ سلف صالحین نے سترہ نصب کرنے کا التزام نہیں کیا ہے، اگر واجب ہوتا تو وہ ضرور اس کا التزام کرتے. [۲]

سترہ کا نمازی کے سامنے تھوڑا سا دائیں یا بائیں جانب رکھنے اور گاڑنے، نہ کہ بالکل نمازی کے سامنے رکھنے پر دلیل:

﴿فما روى أبو داؤد عن ضباعة بنت المقداد بن الأسود عن أبيها قال: ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي إلى عود ولا عمود ولا شجرة إلا جعله على حاجبه الأيمن أو الأيسر ولا يَصْمُدُ له صَمْدًا﴾. [۳]

ترجمہ: امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ضباعہ بنت مقداد بن اسود سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس حال میں دیکھا ہے کہ وہ اِن چیزوں کو اپنے دائیں یا بائیں ابرو کی سیدھ میں رکھتے نہ کہ اِن چیزوں کا رُخ بالکل اپنے چہرے کی سیدھ میں رکھتے، اور (لا یصمد لہ صمدا) کا یہی معنی ہے کہ وہ اِن چیزوں کو اپنے چہرے کے بالکل سامنے اور سیدھ میں سترہ نہ بناتے بلکہ انہیں دائیں یا بائیں جانب سترہ بنا کر رکھتے تھے.

---

(١) فتوى رقم ٣٥٩٩ بتاريخ ١٤٠١/٤/٥هـ.

(٢) توضيح الأحكام من بلوغ المرام ٦٥/٢.

(٣) سنن أبي داؤد ٦٩٣ ـ وجمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد ١٦٣.

بحث دوم: سترہ کی نوعیت:

میں نے پہلے ہی یہ بیان کیا ہے کہ بعض نمازیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ سترہ کسی ایسی چیز کا ہونا ضروری ہے جو اُونچی ہو مثلاً کرسی یا اِس جیسے دوسرے چیزوں کا ہونا ضروری ہے، بعض اوقات بہت سارے نمازی بطور سترہ کے کرسی رکھتے ہیں تو کرسیوں کی تعداد زیادہ ہو جانے کی وجہ سے وہ کرسیاں نمازیوں کے گزرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں.

جبکہ صحیح بات اس طرح نہیں ہے، بلکہ ممکن ہے کہ سترہ ایک خط کھینچنے کیساتھ ہو امام صاحب یا امام کے علاوہ منفرد نمازی کیلئے اور آج کل مساجد میں فرش، صفوں کی ترتیب پر خط زدہ ہوتے ہیں، تو اُس صف کا خط جو نمازی کے سامنے ہے وہ اس کے لئے بطور سترہ کافی ہے اسی طرح اگر کوئی نمازی اپنے مخصوص چھوٹے مصلے پر نماز پڑھ رہا ہو تو اس مصلے کی انتہاء اس کے لئے بطورِ سترہ کافی ہے.

﴿روى أبو داؤد عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا صلى أحدكم فليجعل تلقاء وجهه شيئا،فإن لم يجد فلينصب عصا، فان لم يكن معه عصا فليخطط خطأ، ثم لا يضره ما مر أمامه﴾.(١)

ترجمہ: امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے سامنے کوئی چیز رکھے، اگر کوئی چیز نہ پائے تو لاٹھی کو گاڑ دے اور اگر اس کے پاس لاٹھی بھی نہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ ایک خط کھینچے، پھر جو چیز سامنے سے گزرے گی وہ اس کی نماز کو نقصان نہیں پہنچائے گی.

﴿إذا صلى أحدكم فليجعل تلقاء وجهه شيئا، فان لم يجد فلينصب عصا، فان لم يجد فليخط خطأ، ثم لا يضره ما مر بين يديه﴾.

---

(١) سنن أبي داؤد ٦٨٩.

ترجمہ: اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ان الفاظ کیساتھ روایت کیا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص نماز کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ اپنے چہرے کے سامنے کوئی چیز رکھ دے، پس اگر وہ کوئی چیز نہ پائے تو اسے چاہئے کہ وہ لاٹھی گاڑ دے، پس اگر وہ لاٹھی بھی نہ پائے تو اسے چاہئے کہ وہ ایک خط کھینچ لے، پھر اسے وہ چیز نقصان نہیں پہنچائے گی جو اسکے سامنے سے گزر جائے۔ (۱)

اور اس حدیث کو بعض نے دوسرے طریقوں کیساتھ بھی روایت کیا ہے۔

بعض علماء نے اس حدیث پر ضعیف اور مضطرب ہونے کا حکم لگا دیا ہے، لیکن علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد، ابن حبان، بیہقی اور ابن المدینی نے صحیح قرار دیا ہے اور اسے مزنی نے مبسوط میں امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور اس سے استدلال بھی کیا ہے۔ (۲)

اور امام صنعانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: اُس کی تخریج امام احمد رحمہ اللہ اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے کی ہے اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اور جس نے اسے مضطرب گمان کیا ہے وہ درست نہیں ہے، بلکہ یہ حسن ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ: تحقیق اسے امام احمد رحمہ اللہ اور ابن المدینی نے صحیح قرار دیا ہے۔ (۳)

علماء کے اقوال:

امام صنعانی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث دلیل ہے اس پر کہ سترہ جس چیز کا بھی ہو جائز ہے۔ (۴)

اور ابن قدامہ رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر نمازی کو سترہ کیلئے کوئی چیز نہ ملے تو وہ ایک خط کھینچ لے اور اسکی طرف رخ کرکے نماز پڑھے، اور یہ سترہ کے قائمقام ہوگا، امام احمد رحمہ اللہ سے اسکی صراحت ثابت ہے، اور اسی کے قائل سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ بھی ہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ، لیث بن سعید اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے خط کا انکار کیا ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ سے دورِ عراقی میں خط کا قول

---

(۱) سنن ابن ماجه ۹۴۳.

(۲) نيل الأوطار للشوكاني: ۳/۸ ـ الاستذكار لابن عبد البر ۲/ ۵۷۳ ـ بذل المجهود للسهانفوري ۳/۶۸۷.

(۳) سبل السلام: ۱۸۱ ـ ۱۸۲.

(۴) سبل السلام ۱۸۲.

ثابت ہے، جبکہ دور عصری میں انہوں نے فرمایا کہ نمازی خط نہیں کھینچے گا، البتہ اگر اسمیں کوئی سنت طریقہ ہو تو اسکی پیروی کی جائے گی۔

اور ہماری دلیل وہ روایت ہے کہ جسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کا ارادہ کرے، پس اگر لاٹھی نہ ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ ایک خط کھینچے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت زیادہ لائق ہے کہ اسکی پیروی کی جائے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے قول میں یہ بات ذہن نشین کی جانی چاہیئے کہ انہوں نے فرمایا: البتہ اگر سترہ کے متعلق کوئی مسنون طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو تو اسکی پیروی کی جائے گی۔[1]

تو ممکن ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پہنچی نہ ہو کہ جس میں خط کو سترہ بنانے کی صراحت موجود ہے۔

عنوان نمبر ۱۵: دوران آذان یا آذان کا وقت قریب ہونے کے وقت یا خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد کی نماز کا حکم:

عام صورتحال:

اس حالت کیلئے دو صورتیں ہیں:

(ا) کبھی کبھار نمازی مسجد میں دوران آذان داخل ہوتا ہے اور کبھی ایسے وقت میں داخل ہوتا ہے کہ آذان دینے کا وقت قریب ہوتا ہے اس طور پر کہ اگر وہ تحیۃ المسجد کی نماز میں مشغول ہوگا تو مؤذن آذان دینا شروع کردے گا، یا وہ ایسے وقت میں داخل ہوتا ہے کہ خطبہ سے پہلے دوسری آذان ہو رہی ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں وہ مؤذن کے آذان کے ختم ہونے کا انتظار کرتا ہے اور آذان کے ختم ہونے کے فورا بعد وہ تحیۃ المسجد کی نماز میں مشغول ہو جاتا ہے اور حالانکہ اس دوران خطیب نے خطبہ شروع کردیا ہوتا ہے۔

---

(۱) المغني ۳/ ۸٦.

(۲) بعض نمازی حضرات مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ نماز کا وقت قریب ہے تو بیٹھ جاتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

پہلی صورت: اے میرے نمازی بھائی! اگر آپ ایسے وقت مسجد میں داخل ہو جائیں کہ مؤذن نے آذان شروع کردی ہو یا آذان دینے کا وقت بالکل قریب ہو اور نماز نمازِ جمعہ نہ ہو بلکہ جمعہ کے علاوہ دوسری نماز ہو تو ایسی صورت میں افضل یہی ہے کہ آپ مؤذن کے آذان کا جواب دیں اور پھر تحیۃ المسجد کی نماز پڑھ لیں تاکہ آپ دونوں عبادتوں کو ایک ساتھ ادا کرنے والے ہوں، یعنی مؤذن کے آذان کا جواب اور تحیۃ المسجد کی نماز لیکن اگر یہی صورتحال جمعہ کے دن پیش آئے تو ایسی صورت میں آپ پہلے تحیۃ المسجد کی نماز پڑھیں تاکہ آپ خطبہ سننے کیلئے جلد فارغ ہو سکیں کیونکہ خطبہ کا سننا، مؤذن کے آذان کا جواب دینے سے زیادہ بہتر ہے.

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: اگر میں مسجد میں ایسے وقت میں داخل ہو جاؤں کہ مؤذن آذان دے رہا ہو تو میرے لئے یہ بہتر ہے کہ میں تحیۃ المسجد کی نماز پڑھ لوں یا یہ کہ آذان کا جواب دوں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اسمیں تفصیل ہے: اگر آپ ایسے وقت میں داخل ہوئے کہ مؤذن جمعہ کی نماز کے لئے آذان دے رہا ہو، جو آذان خطیب کے سامنے دی جاتی ہے تو ایسی صورت میں ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ تحیۃ المسجد کی نماز پڑھیں اور آذان کے ختم ہونے کا انتظار نہ کریں، کیونکہ آپ کا اپنے آپ کو خطبہ سننے کیلئے فارغ کرنا، آذان کا جواب دینے سے زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ خطبہ کا سننا واجب ہے اور آذان کا جواب دینا واجب نہیں ہے، اور اگر آذان جمعہ کے علاوہ کسی اور نماز کے لئے ہو تو ایسی صورت میں آپ کھڑے رہے، یہاں تک کہ آپ آذان کا جواب دیدیں اور پھر آذان کے بعد مسنون دُعا پڑھ لیں، (اللّٰهُمَّ صل على محمد، اللّٰهُمَّ رب هذه الدعوة التامة، والصلاة القائمة، آت محمدا الوسيلة والفضيلة، وابعثه المقام المحمود الذي وعدته، إنك لا تخلف الميعاد) پھر اسکے بعد تحیۃ المسجد کی نماز پڑھ لیں.

---

(۱) موقع (الاسلام سؤال وجواب).

﴿ففي صحيح مسلم قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا قال المؤذن: الله أكبر الله أكبر، فقال أحدكم: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: أشهد أن لا اله إلا الله، قال أشهد أن لا اله إلا الله ثم قال: أشهد أن محمدا رسول الله، قال: أشهد أن محمدا رسول الله، ثم قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: حي على الفلاح، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: الله أكبر الله أكبر، قال: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: لا إله إلا الله، قال: لا إله إلا الله، من قلبه، دخل الجنة، فبين أن جزاء ترديد الآذان خلف المؤذن يكون سببا لدخول الجنة﴾.[1]

ترجمہ: پس صحیح مسلم میں یہ حدیث موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مؤذن (اللہ اکبر اللہ اکبر) کہے اور تم میں سے کوئی اسکے جواب میں (اللہ اکبر اللہ اکبر) کہے، پھر جب مؤذن (اشہد ان لا الہ الا اللہ) کہے اور وہ بھی (اشہد ان لا الہ الا اللہ) کہے پھر جب مؤذن (اشہد ان محمدا رسول اللہ) کہے اور وہ بھی (اشہد ان محمدا رسول اللہ) کہے پھر جب مؤذن (حی علی الصلاۃ) کہے اور وہ (لا حول ولا قوۃ الا باللہ) کہے پھر جب مؤذن (حی علی الفلاح) کہے اور وہ (لا حول ولا قوۃ الا باللہ) کہے، پھر جب مؤذن (اللہ اکبر اللہ اکبر) کہے اور وہ بھی (اللہ اکبر اللہ اکبر) کہے اور پھر جب مؤذن (لا الہ الا اللہ) کہے اور وہ بھی دل سے (لا الہ الا اللہ) کہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مؤذن کے پیچھے آذان کے کلمات کے دھرانے کو جنت میں داخل ہونے کا سبب قرار دیا ہے.

دوسری صورت: جب نمازی مسجد میں داخل ہو جائے اور دیکھ لے کہ نماز کا وقت بالکل قریب ہے اور تحیۃ المسجد اداء کرنے کیلئے کوئی وقت باقی نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ کھڑا رہے اور کھڑے ہو کر نماز کیلئے انتظار کرے، تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قول کہ (جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو نہ بیٹھے جب تک

---

(١) موقع (الدرر السنية).

دو رکعت نہ پڑھ لے) کی پیروی ہو جائے، لیکن جب نماز کا وقت قریب ہونے کیوجہ سے دو رکعت اداء کرنا ممکن نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ نہ بیٹھے بلکہ کھڑا رہے.

عنوان نمبر ١٦: اقامت کے وقت سنتیں اداء کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی اقامت سے کچھ قبل سنتوں میں مشغول ہو جاتے ہیں، پھر جماعت کھڑی ہو جاتی ہے، جبکہ انہوں نے سنت کی کچھ رکعتیں مکمل کرلی ہوتی ہیں یا سنت مکمل کرنے کے قریب ہوتے ہیں اور وہ سنتوں کو توڑ دیتے ہیں تاکہ امام کیساتھ جماعت میں شامل ہو جائیں.

وعظ اور نصیحت:

سنت نماز میں مشغول ہو جانے کے بعد یہاں تک کہ اس کا بعض حصہ اداء کرلیا ہو اور جماعت ہو جائے تو ایسی صورت میں سنتوں کو توڑنے کے بعض علماء قائل ہیں.

جبکہ جمہور فقہاء کا نکتہ نظر اس بارے میں یہ ہے کہ جب نمازی سنتوں میں مشغول ہو جانے کے بعد اس کا کچھ حصہ پڑھ لے اور جماعت کھڑی ہو جائے اور جماعت ملنے کی امید بھی ہو تو ایسی صورت میں وہ سنتوں یعنی نوافل کو خفیف کرکے جلد مکمل کرلیں تاکہ اسے جماعت مل سکے اور یہ باری تعالی کے اس قول کیوجہ سے، کہ: (تم اپنے اعمال کو باطل مت کرو) یعنی جو عمل شروع کرلیا جائے تو اسکو مکمل کرنا چاہئے اور اگر جماعت فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو پھر سنتوں کو توڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے کیونکہ فرض نماز زیادہ اہم ہے سنتوں کے بنسبت، اور یہی رائے زیادہ راجح ہے کیونکہ اقامت کے وقت یا اقامت کے دوران سنتوں میں مشغول ہونا ممنوع ہے.

﴿فعن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة﴾.[1]

---

(١) رواه مسلم: ٧١٠.

ترجمہ: چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب جماعت کھڑی ہوجائے تو پھر فرض نماز کے علاوہ کوئی اور نماز پڑھنادرست نہیں ہے رواہ مسلم.

اور جو سنت نماز توڑنے کے قائل ہیں انہوں نے اس حدیث کے ظاہر کو لیا ہے جن میں حنفیہّ بھی شامل ہیں.

اور جو جلدی سے اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرنے کے قائل ہیں انہوں نے اس حدیث میں یہ تاویل کرکے کہا ہے کہ اس حدیث سے مراد اقامت کے وقت سنت شروع کردینا مراد ہے، کیونکہ اقامت کے شروع ہونے سے لے کر نماز کی اختتام تک درمیان میں اتنا وقت ضرور ملتا ہے کہ نمازی اپنی سنت پوری کرکے امام کیساتھ شریک ہوجائے، اور یہی جمہور فقہاء کی رائے ہے.

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نفل نماز پڑھنے کے بارے میں جو واضح ممانعت آئی ہے وہ اقامت کے بعد نفل پڑھنے کے بارے میں آئی ہے پھر چاہے وہ نفل مقررہ یعنی وہ نوافل ہوں جو کہ فرض کے تابع ہیں جیسے: صبح، ظہر اور عصر کے نوافل اور یا اسکے علاوہ دیگر نوافل ہوں یہ اس ممانعت میں سب شامل ہیں اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور کا مذہب ہے.[1]

جب نماز کھڑی ہوجائے اور نمازی سنتوں میں مشغول ہو اس بارے میں ابن قدامہ المقدسی کی کتاب (الکافی فی فقہ الامام احمد بن حنبل) میں آیا ہے کہ وہ ہلکی اور خفیف کرکے مکمل کریگا، البتہ اگر جماعت فوت ہونے کا خطرہ ہو تو پھر سنتوں کو توڑ دیگا، کیونکہ فرض نماز زیادہ اہم ہے وگرنہ مکمل کریگا اللہ رب العزت کے اس قول کی وجہ سے (لا تبطلوا أعمالكم) **ترجمہ:** (کہ تم اپنے اعمال کو باطل مت کرو)[2].

---

(١) شرح النووي على صحيح مسلم: ٥/ ٢٢١ ـ ٢٢٢.

(٢) موقع المكتبة الإسلامية العامة.

عنوان نمبر ۱۷: نمازی کے سامنے ذی روح کی تصویر کا ہونا:

عام صورتحال:

اس حالت میں دو صورتیں ہیں:

(۱) کبھی جمادات اور نباتات کے علاوہ کسی ذی روح کی تصویر ہوتی ہے جیسے کسی انسان یا جانور کی تصویر دیوار یا تپائی اور میز وغیرہ پر.

(۲) بعض نوجوان ایسے لباس یا قمیص پہنتے ہیں کہ اسکے پشت پر تصویر ہوتی ہے اور وہ جماعت کیساتھ نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں اور اس صورت میں وہ تصویر اسکے پیچھے نماز پڑھنے والے کے سامنے ہوتی ہے چاہے وہ فرض نماز جماعت کیساتھ پڑھ رہا ہو یا علیحدہ سنتیں پڑھ رہا ہو.

وعظ اور نصیحت:

الف: نمازی کا اپنے سامنے موجود تصویر کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ ایسا کرنا اُس تصویر کی عبادت کے مشابہ ہے اگرچہ نمازی کی نیت اسکی عبادت کی نہ ہو اور اسلئے بھی کہ یہ نمازی کے خشوع میں رکاوٹ بن جاتی ہے، پس اس کو دور کرنا فرض ہے اگر اُسے ہٹانا ممکن نہ ہو تو پھر اسے کسی کپڑے سے ڈانپ لے، ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ اپنے سامنے لٹکی ہوئی تصویر کی طرف رُخ کرکے نماز نہ پڑھیں کیونکہ کہ اس میں اللہ تعالی کے علاوہ تصویر کی عبادت کی جاتی ہے، جو شرک ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہے: کہ ہمارے ساتھ ایک کپڑا تھا اس میں تصویریں تھیں، تو میں نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے منع کیا، یا فرمایا کہ: آپ علیہ السلام نے اسے ناپسند فرمایا،

---

(۱) المغني لابن قدامه ۳/۸۸.

عبد الرحمٰن بن ابی حاتم نے اسے اپنی اسناد کیساتھ روایت کیا ہے، اور تصویر کیطرف رخ کرکے نماز پڑھنا اسلئے بھی ممنوع ہے کہ جب نمازی تصویر کیطرف دیکھے گا تو وہ تصویر اسے اپنے اندر مشغول کرکے نماز سے غافل کردیگا. (۱)

ب: اس مسئلے کے تحت وہ صورت بھی شامل ہے کہ بعض نوجوان ایسی قمیص پہنتے ہیں کہ اسکی پشت پر انسان یا جانور کی تصویر ہوتی ہے تو جب وہ صف میں کھڑا ہوگا تو وہ تصویر اس نمازی کے سامنے آئے گی جو اسکے پیچھے کھڑا ہو اور اس پر بھی سابقہ کراہت والا حکم لگے گا، اور یہ تصویر والا نمازی اس کراہت کا سبب بنے گا، اسلئے ہم نصیحت کرتے ہیں کہ ایسے کپڑے نہ پہنے جائیں کہ جس میں ذی روح کی تصویر ہو اور ان دونوں صورتوں میں نماز درست ہوگی.

اور اسی طرح مسجد کے قبلہ کی دیوار میں کتاب یا کوئی اور چیز رکھنا بھی مکروہ ہے کیونکہ نمازی اس کی طرف بار بار دیکھنے کی وجہ سے اس میں مشغول ہو جاتا ہے. (۱)

ج: ان کپڑوں میں نماز پڑھنا کہ جن میں تصویریں ہوں:

جمہور علماء نے ایسے کپڑے پہننے کہ جس میں تصویریں ہوں، اور اس میں نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، اور بعض نے اسے حرام کہا ہے، لیکن اس حرمت کے باوجود نماز صحیح ہوگی. (۲)

د: گھروں میں دیواروں پر ذی روح کی تصویریں لٹکانا جائز نہیں، چاہے وہ انسان کی تصویر ہو یا کسی اور جاندار کی تصویر ہو.

اس لئے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے کہ جس میں تصویر ہو، اور ایک روایت میں ہے کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے کہ جس میں کتا یا تصویر ہو. (۳)

---

(۱) الفقه الإسلامي وأدلته لوهبة الزحيلي ۲/ ۹۴۵.

(۲) موقع الدليل الفقهي.

(۳) البخاري ۳۲۲۶ ـ ۴۰۰۲.

(۴) موقع الإسلام سؤال وجواب.

اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہاکے پاس وہ پردہ دیکھاکہ جس میں تصویریں تھیں توآپ علیہ السلام غصہ ہوئے اور اُن تصاویر کی توہین کی اور فرمایا کہ: اِن تصاویر کے بنانے والوں کو قیامت کے روز عذاب دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے انہیں زندگی دو[۴].

عنوان نمبر ۱۸: باجماعت نماز میں دوسری صف شروع کرنا:

عام صورتحال:

(ا) بعض نمازی حضرات دور سے دیکھ کر کہ پہلی صف مکمل ہوچکی ہے تو دوسری صف شروع کردیتے ہیں، حالانکہ پہلی صف ابھی تک مکمل نہیں ہوئی ہے، اس میں ابھی بھی ایک نمازی یا کئی نمازیوں کی جگہ ممکن ہے.

کبھی نمازی دوسری صف اس حرص کی وجہ سے شروع کردیتا ہے کہ امام کیساتھ شریک ہوجائے، حالانکہ پہلی صف میں جگہ باقی ہوتی ہے.

ب: اور بعض نمازی حضرات صف کو دائیں یا بائیں طرف سے شروع کرتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

(ا) نمازی کیلئے مناسب ہے کہ قریب آکر یقین دہانی کرائے کہ پہلی صف مکمل ہوچکی ہے، تو پھر دوسری صف شروع کردے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتوں پر بہت سختی کی ہے:

(ا) صفوں کی درستگی.

(۲) پہلی صف پورا کرکے پھر دوسری صف بنانا.

تو واجب ہے کہ پہلی صف پوری کرکے پھر دوسری صف بنائی جائے.

﴿روى أبو داؤد عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أقيموا الصفوف، وحاذوا بين المناكب، وسدوا الخلل، ولينوا بأيدي

---

(١) رقم الحديث: ٦٦٦.

إخوانكم، ولا تذروا فرجات للشيطان، ومن وصل صفا وصله الله، ومن قطع صفا قطعه الله﴾.[1]

ترجمہ: امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صفیں درست کرو اور کندھے برابر کرو خالی جگہیں پُر کرو، اور اپنے درمیان نرمی کا معاملہ کرو، اور درمیان میں شیطان کیلئے خالی جگہیں مت چھوڑو، جس نے صف کو ملایا (متصل) کیا اللہ اُس کو اپنے رحمت سے ملائے گا، اور جس نے صف کو توڑا تو اللہ تعالی اس کو اپنے رحمت سے توڑے گا.

﴿وروى مسلم عن جابر بن سمرة رضي الله عنه قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ألا تصفون كما تصف الملائكة عند ربها؟ فقلنا: يا رسول الله، وكيف تصف الملائكة عند ربها؟ قال: يتمون الصفوف الأول، ويتراصون في الصف﴾.[1]

ترجمہ: امام مسلم رحمہ اللہ نے جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے طرف آتے ہوئے فرمایا: تم اس طرح صفیں کیوں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس باندھتے ہیں؟ ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول: فرشتے اپنے رب کے پاس کس طرح صف باندھتے ہیں؟آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں، اور صف میں ایک دوسرے سے خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں.

﴿وروى أبو داؤد والنسائي عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أتموا الصف المقدم ثم الذي يليه، فما كان من نقص فليكن في الصف المؤخر﴾.[2]

---

(١) رقم الحديث: ٤٣٠.

(٢) أبو داؤد رقم الحديث: ٦٧١، النسائي رقم الحديث: ٨١٨.

ترجمہ: امام ابو داؤد اور امام نسائی رحمہم اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کیا ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلی صف مکمل کرو پھر اس کے بعد والی صف پس اگر صفوں میں کوئی کمی کی رہ جائے تو وہ آخر والی صف میں ہو۔

اگر مردوں، بچوں، مخنثوں اور عورتوں کا مجمع ہو تو ان کی صف بندی میں درج ذیل ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے، آگے مرد کھڑے ہوں، پیچھے بچے، پھر مخنث اور اس کے بعد عورتیں۔

(۲) صف درمیان سے شروع کرنی چاہئے اور دائیں بائیں طرف سے شروع کرنا تو نمازی عورتوں کا وظیفہ ہے، کہ وہ ایک طرف کھڑی ہوتی ہیں، جب صف درمیان سے شروع ہو جائے تو آنے والوں کیلئے پھر دائیں بائیں طرف کھڑا ہونا جائز ہے۔

﴿فقد ورد عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: **وسطوا الإمام**، وسدوا الخلل﴾[1].

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام کو درمیان ہی میں رکھا کرو، اور خالی جگہیں پُر کرو، (یعنی جگہیں نہ چھوڑو)۔

اور یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ امام کو درمیان میں رکھا جائے اور یہ اس وقت متحقق ہوگا کہ جب صف کی شروع امام کے پیچھے سے ہی ہو، پھر دائیں بائیں لوگ کھڑے ہوتے رہے۔

ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صف کو درمیان سے شروع کرو۔[2]

اور اسی پر قیاس کرکے تمام صفوں کو درمیان سے شروع کرنا چاہئے۔

عنوان نمبر۱۹: صف میں کھڑے ہونے کا طریقہ اور نمازی کا کرسی یا معذوروں کی گاڑی پر بیٹھنا:

عام صورتحال:

مختلف صورتیں:

---

(۱)أبو داؤد: ٦٨١.

(۲) مجموع فتاوى ابن باز ١٢/ ٢٠٥.

(۱) بعض نمازی صف میں کھڑے ہو کر اپنے ساتھی کی حق تلفی کرتے ہیں اور بسا اوقات صف میں آگے پیچھے ہوتے ہیں.

(۲) اور بعض درمیان میں جگہ چھوڑتے ہیں.

(۳) اور بعض حضرات پاؤں کو پاؤں کیساتھ ملانا ضروری سمجھتے ہیں اور خاص کر یہ تیسری صورت (یعنی پاؤں کو پاؤں کیساتھ ملانا) درمیان میں خالی جگہ رہنے کا سبب بنتا ہے اس طور پر کہ جب نمازی دوسری رکعت کیلئے کھڑا ہونے لگے.

(۴) اکیلے صف میں کھڑا ہونا.

(۵) صف میں کرسی یا معذوروں کی گاڑی پر نماز ادا کرنا.

وعظ اور نصیحت:

صف میں ترتیب کیساتھ کھڑا ہونا ضروری ہے، اس طور پر کہ کچھ بھی آگے پیچھے نہ ہو، یعنی جو شخص آپ کیساتھ کھڑا ہو اس سے آپ آگے پیچھے نہ ہو اور بہت سے احادیث صف سیدھے کرنے کے بارے میں منقول ہیں، اور ان احادیث میں جو صفوں کے بارے میں برابری کا حکم ہوا ہے اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ صفوں کو سیدھا کرنا واجب ہے.

﴿ما رواه البخاري ومسلم عن أنس ابن مالك عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: سووا صفوفكم، **فإن** تسوية الصف من تمام الصلاة﴾.

ترجمہ: جو امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا فرمایا: صفیں سیدھی کروں اس لئے کہ صف سیدھی کرنا نماز کا مکمّل ہے.

اور اسکے معنی یہ ہے کہ صفیں سیدھی رکھیں تاکہ اس میں کسی قسم کی خرابی نہ ہو.

﴿وعن النعمان بن بشير رضي الله عنهما قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسوي صفوفنا حتى كأنما يسوي بين القداح، حتى رأى أنا قد عقلنا عنه، ثم

خرج يوما فقام حتى كاد يكبر فرأى رجلا باديا صدره من الصف، فقال: عباد الله: لتسون صفوفكم أو ليخالفن الله بين وجوهكم﴾.

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صف اس قدر سیدھی اور برابر کرتے تھے گویا ان کے ذریعہ آپ تیروں کو سیدھا کر رہے ہیں، یہاں تک کہ آپ کو خیال ہو گیا کہ اب ہم لوگ سمجھ گئے ہیں کہ ہمیں کس طرح سیدھا کھڑا ہونا چاہئے اس کے بعد ایک دن ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لئے اپنی جگہ پر کھڑے بھی ہو گئے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ تکبیر کہہ کر نماز شروع کر دیں کہ آپ کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کا سینہ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بندو! اپنی صفیں ضرور سیدھی اور درست رکھا کرو، ورنہ اللہ تعالی تمہارے رخ ایک دوسرے کے مخالف کردے گا.

قداح بکسر القاف وہ لکڑی ہے جو تیروں کیلئے برابر کی جاتی ہے، اے نمازی تم دیکھ رہے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیں درست کرنے کیلئے اتنی سختی کی، اور صرف سینہ باہر نکالنے کو صف کی درستگی میں خلل شمار کیا، اور بہت دقت کیساتھ صفوں کو درست فرمایا.

دوسری بات:

نمازی پر واجب ہے کہ اپنے اور اپنے ساتھی کے درمیان فاصلہ نہ رکھے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالی جگہیں کو پُر کرنے کا حکم فرمایا ہے، خَلَلٌ (دو چیزوں کے درمیان خالی جگہ).

ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ خالی جگہیں پُر کرنے کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، اور اس میں بہت سی احادیث وارد ہیں، ان میں سے جامع روایت وہ ہے جو ابو داود رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور اسکی تصحیح ابن خزیمہ اور حاکم نے کی ہے، روایت کے الفاظ:

---

(١) فتح الباري: ٢/ ٢٦٩.

﴿روى أبو داؤد عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أقيموا الصفوف، وحاذوا بين المناكب، وسدوا الخلل، ولينوا بأيدي إخوانكم، ولا تذروا فرجات للشيطان، ومن وصل صفا وصله الله، ومن قطع صفا قطعه الله﴾.[1]

ترجمہ: امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صفیں درست کرو اور کندھے برابر کرو خالی جگہیں پُر کرو، اور اپنے درمیان نرمی کا معاملہ کرو، اور درمیان میں شیطان کیلئے خالی جگہیں مت چھوڑو، جس نے صف کو ملایا (متصل) کیا اللہ اُس کو اپنے رحمت سے ملائے گا، اور جس نے صف کو توڑا تو اللہ تعالی اس کو اپنے رحمت سے توڑے گا.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے فرمایا کہ صفوں کو درست کرو اور متصل کھڑے ہو جاؤ، یقینا میں تمہیں پیچھے سے دیکھ رہا ہوں.[1]

(تراصوا) کا معنی یہ ہے: کہ ایک دوسرے سے مل کر بلا فاصلہ کھڑے ہو جائیں.[2]

تو اس بناپر جو دائیں طرف میں ہو، وہ بائیں طرف والوں کو دیکھ کر ان کے ساتھ برابری کریں گے، اور جو بائیں طرف میں ہو وہ دائیں طرف والوں کو دیکھ کر ان کے ساتھ برابری کریں گے.

اور (یحاذی) کا معنٰی یہ ہے کہ پوری طرح برابری اور مقابلے میں کھڑے ہو جائیں.

کبھی باجماعت نماز کے شروع میں خالی جگہ نہیں ہوتی، لیکن پہلی رکعت کے بعد دوسری رکعت میں جانے سے اور یا ان حرکات (اٹھنا بیٹھنا رکوع اور سجدہ) سے جو پہلی رکعت میں ہوئی، خالی جگہیں نظر آنا شروع ہو جاتی ہے، تو مناسب یہ ہے کہ اُن خالی جگہوں کو اپنے ساتھی کیساتھ مل کر پُر کئے جائیں.

تیسری بات: صف میں کھڑے ہونے کی وقت دونوں پاؤں کے درمیان زیادہ فاصلہ رکھنا:

---

(١) فتح الباري: ٢/ ٢٧٣.

(٢) المعجم الوسيط ـ رصَّ.

بعض نمازی اپنے پاؤں کے درمیان زیادہ فاصلہ رکھتے ہیں اور یہ دوسروں کیلئے تکلیف دہ ہے اور نماز میں اپنے ساتھی سے کندھیں دور ہونے کا سبب بھی بن جاتا ہے.

نصیحت اور بیان:

نماز میں اپنے پاؤں کے درمیان طبعی فاصلہ رکھنا چاہئے نہ تو وہ زیادہ فاصلہ رکھے کہ پھر اسکی وجہ سے کندھوں کے درمیان زیادہ فاصلہ آجائے جو خلاف سنت ہے اور نہ بہت کم فاصلہ رکھے کہ اپنے پاؤں کو بالکل پیوست کردے، نمازی کیلئے اپنے پاؤں کے درمیان طبعی فاصلہ رکھنا چاہئے اس طریقے سے کہ نہ تو فاصلہ بہت زیادہ ہو اور نہ بہت کم، اس لئے کہ جب فاصلہ زیادہ ہوگا تو ظاہری بات ہے کہ کندھا کندھے سے دور رہے گا. (۱)

تو اصل یہ ہے کہ کندھا کندھے کی برابری میں ہو اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برابری کا حکم فرمایا ہے! فرمایا: (کندھوں کو برابری میں رکھو) اس لئے کہ اصل صفوں کی درستگی میں کندھے ہیں اور پاؤں کا فاصلہ کندھوں کے تابع ہے، اور (منکب) کندھے کو کہا جاتا ہے.

تو محاذات کا معنٰی یہ ہے (کہ چیزیں ایک ترتیب سے ہو) او یہ حدیث صفوں کی درستگی کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور کندھا کندھے سے ملانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے (**سدوا الخلل**) اور (**تراصوا**) اور پاؤں کو پاؤں کیساتھ ملانا یہ صحابہ کا عمل ہے.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ہم سے ہر ایک اپنے کندھے کو کندھے سے ملاتا تھا اور پاؤں کو پاؤں کیساتھ. (۲)

اور صحابہ کا فعل عبادات میں خیر ہی ہوتا ہے اور بعض نمازی حضرات قدم کو قدم سے ملانے کا غلط مفہوم سمجھ کر اس میں بہت تشدد کرتے ہیں اور دائیں بائیں طرف والے ساتھی کیساتھ پاؤں ملا کر اور ٹخنے

---

(۱) موقع (الإسلام سؤال وجواب).

(۲) فتح الباري: ۲/ ۲۷۳.

(۳) موقع (الإسلام سؤال وجواب).

ٹخنوں سے ملا کر لوگوں کو تکلیف دیتے ہیں، اور یہ ایک قبیح عمل ہے اور تکلیف سے خالی نہیں اور صحابہ کے فعل کی غلط بیانی ہے، اور اسمیں دوسروں کو تنگ کرنا ہے یہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب مقتدی سجدہ کرتا ہے، اور یہ سجدے سے اٹھنے کے بعد خالی جگہ کو پُر کرنے کیلیئے اپنے پاؤں کو دوسرے کیساتھ ملاتا ہے۔ (۳)

اور کوئی شک نہیں کہ لوگوں کو نماز کے اندر تکلیف دینا ناجائز ہے جیسا کہ نماز سے باہر تکلیف دینا ناجائز ہے.

ابن باز رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگ جب نماز کیلیئے کھڑے ہوجاتے ہیں، تو دونوں پاؤں کے درمیان بہت فاصلہ رکھتے ہیں جس سے ساتھی کو تکلیف ہوتی ہے.

تو اس نے جواب میں فرمایا!

مناسب ہے کہ ہر نمازی اپنے قریبی ساتھی کو تکلیف نہ دے اور خالی جگہ کو بغیر تکلیف کے پُر کریں، تو سب کو یہ معلوم ہے کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ خلفاء راشدین سے اور نہ ائمہ مجتہدین سے پاؤں کو مروّج طریقے پر ملانا منقول ہے.

اور پاؤں کا یہ مسئلہ ایک شیخ الحدیث صاحب سے بھی تفصیل سے مذکورہ کتابوں میں نقل ہوا ہے، (الجامع الصغیر، زیادۃ الجامع الصغیر، مجمع الزوائد) لیکن وہ محاذات کے معنی کو نہ سمجھتے ہوئے اسکا ایک اور مقصد بیان کرتے ہیں، اور کلمہ (حاذوا) میں نے فیض القدیر شرح جامع الصغیر میں دیکھا تھا.

محاذات کا معنی یہ ہے کہ پاؤں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں رکھنا نہ کہ بالکل پیوست، کہ ایک سیدھی خط جیسی نظر آئے.

چوتھی وجہ:

اکیلا صف میں کھڑا ہونا:

بعض نمازی تاخیر سے آجاتے ہیں اور امام کے پیچھے اکیلے صف میں کھڑے ہوتے ہیں اور بعض نمازی اکیلے صف بناتے ہیں باوجود اسکے کہ پہلی صف ابھی تک مکمل نہیں ہوئی (یعنی اسمیں خالی جگہ باقی ہے).

---

(١) رواه أبو داؤد والترمذی.

(۱) اگر پہلی صف میں کوئی خالی جگہ ہو اور پھر بھی ایک نمازی پیچھے صف میں نماز پڑھتا ہے تو راجح قول یہ ہے کہ کہ وہ نماز کا اعادہ کرے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جو پیچھے صف میں آکیلا نماز پڑھ رہا تھا، اعادے کا حکم فرمایا تھا، یہ اس وقت ہے جب آگے صف میں خالی جگہ ہو۔[۱]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ اعادے کا حکم اس شخص کے متعلق ہے، جو واجب اتصال کو ترک کردے، (یعنی پہلی صف میں جگہ ہونے کے باوجود پیچھے کھڑا ہو جائے)۔

(۲) اگر پہلی صف میں جگہ نہ ہو تو آخری صف میں نماز پڑھنا صحیح ہے۔

پانچویں وجہ: معذور کیلئے صف میں عام کرسی یا معذوروں کی کرسی رکھنا:

اسمیں دو باتیں ہیں:

پہلی بات:

بعض نمازی مسجد میں اپنی کرسیوں کے ساتھ داخل ہوتے ہیں، اور نمازیوں کے درمیان بیٹھتے ہیں، یہ حرکت کبھی دوسروں کیلئے تکلیف دہ بن جاتی ہے، اس لئے کرسی والوں کو یہ نصیحت ہے کہ وہ کرسی دائیں یا بائیں طرف رکھا کریں، اگر اس طرح معذور حضرات ایک سے زیادہ ہو، تو وہ سب ایک طرف میں صف بنائیں گے۔

دوسری بات:

کرسی والا اپنی کرسی کے پیچھے والے پاؤں کو صف کے لکیر پر رکھے گا نہ کے آگے والے پاؤں کو، اس لئے کہ جب آگے والے پاؤں کو صف کے لکیر پر رکھے گا، تو اس سے پیچھے صف میں کھڑے ہونے والوں کو تکلیف ہوگی۔

مقصد یہ ہے کہ معذور سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو، اگر دونوں صفوں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہو اور سجدے میں پیچھے صف والوں کو کوئی ضرر نہ ہو، تو کوئی بات نہیں کہ معذور اپنی کرسی کے آگے والے پاؤں کو صف کے لکیر پر رکھے، یا اگر کرسی کو آگے پیچھے کرنے میں معذور کو تکلیف نہ ہو، تو سجدے کی حالت میں کرسی کو آگے کرکے پھر قیام کے وقت پیچھے کردے۔

کرسیاں استعمال کرنے والوں کیلئے دو باتوں کی طرف توجہ کرنا لازمی ہے:

(۱) کرسی کا استعمال حقیقی معذور کیلئے کرنا چاہیئے، جو سجدہ، رکوع، قیام پر قادر نہ ہو اور معمولی سی مشکل کی وجہ سے (جیسا کہ آج کل لوگ مسجد تک پیدل آجاتے ہیں اور پھر نماز کرسی پر پڑھتے ہیں) کرسی کا استعمال کرنا نماز کی توہین ہے۔

(۲) کرسیاں اِدھر اُدھر رکھنے سے صف میں خالی جگہیں پیدا ہوتی ہیں اور بعض نمازی جو مسجد میں متولی ہوتے ہیں تو وہ کرسی امام کے پیچھے رکھتے ہیں، تو ضروری ہے کہ تمام کرسیاں صفوں کے اطراف میں ہوں۔

عنوان نمبر ۲۰: پاؤں کی پشت یا انگلیوں سے صفوں کو درست کرنا:

عام صورتحال:

نمازیوں میں سے بعض حضرات صف کو پاؤں کی انگلیوں سے یا پاؤں کی پشت سے درست کرتے ہیں۔

وعظ اور نصیحت:

صفوں کو درست کرنا نماز میں واجب ہے اس لئے کہ اس پر امر وارد ہوا ہے تو اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ دائیں بائیں طرف والوں کے کندھے سے کندھا برابر کردیا جائے۔

اس لئے کہ کندھے کو برابر کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا ہے فرمایا: (کندھوں میں برابری کرو) (گردنیں برابر کرلو) اور عنق [گردن] کو کہا جاتا ہے)، اور کندھا کندھے سے برابر کرنا محاذات کیلئے احسن طریقہ ہے، اور صف میں درستگی بھی اس سے آتی ہے، کندھوں کے برابری میں بڑے قد اور چھوٹے قد کی رعایت نہیں کی جائیگی یہاں تک کہ بعض نمازیوں کے کندھے دوسروں کے بنسبت بلند ہوتے ہیں لیکن پھر بھی کندھوں میں برابری کا امکان ہے، اور انگلیوں کی سروں یا پاؤں کے پشت سے برابری کرنے سے صف میں احسن واعلیٰ طریقے کی درستگی نہیں آتی، کیونکہ اسمیں طولاً اور قصراً اختلاف آتا ہے، اور ٹخنوں کیساتھ بھی صف کی درستگی نہیں آتی کیونکہ اسمیں بھی پاؤں کے حجم کے اعتبار سے اختلاف ہوتا ہے، اور صحابہ سے جو ٹخنے کو ٹخنوں کیساتھ ملانا منقول ہے تو وہ زیادہ خشوع اور حرص پر محمول ہیں۔

پاؤں کو ملانے میں زیادہ تشدد سے کام لینا مناسب نہیں، علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا: صفوں کو درست کرنا امام پر واجب ہے (کما فی الدر المختار) اور درستگی چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے، اور ابن حزم رحمہ اللہ فرضیت کے قائل ہے، اور اعتبار [بکسر الراء] برابری ٹخنوں کیلئے ہیں اور جو بخاری میں ٹخنے کو ٹخنے سے ملانا ثابت ہیں بعض حضرات نے اسکو حقیقت پر محمول کیا ہے.

حالانکہ یہ مبالغہ ہے راوی کی طرف سے، اور زیادہ احسن بات یہ ہے کہ جو طریقہ خشوع والا ہو وہ اختیار کرنا چاہیئے.(۱)

اس لئے جو حضرات نماز میں اپنے ٹخنے کو ساتھی کے ٹخنے سے ملانے میں زیادہ تشدد کرتے ہیں، تو وہ حضرات اپنے دائیں بائیں طرف والے ساتھیوں کو تنگ کرتے ہیں، اور اس سے نماز میں خشوع بھی ختم ہو جاتی ہے.

اردن کے دار الافتاء کا فیصلہ اور فرمان:

اس مسئلہ میں زیادہ تکلیف سے کام نہیں لینا چاہیئے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تم میں سے عقلمند وہ لوگ ہیں جو نماز میں کندھوں کو نرمی کیساتھ برابر کرنے کی کوشش کریں.(۲)

امام خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا! (لین المنکب) سے مراد نماز میں اطمینان اور سکون اختیار کرنا ہے.

اپنے کندھے کو ساتھی کی کندھے سے اتنا نہیں ملانا کہ آنے والوں کیلئے (جو خالی جگہیں پُر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں) مانع بن جائیں، یا جگہ تنگ ہو جائے، اور نہ کندھے سے دوسرے کو دھکا دے تاکہ خالی جگہ ختم ہو جائے اور صف میں سب اکٹھے ہو جائیں(۳).

---

(۱) العرف الشذي بشرح سنن الترمذي، ۱/ ۲۳۵، ط، مؤسسة ضحى.

(۲) أبو داؤد: ٦٧٢.

(۳) معالم السنن ۱/ ۱۸۴.

(۴) موقع دار الإفتاء الأردن.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا رویّہ شفقت اور خوشخبری اور آسانی کا تھا، تو جائز نہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا دعویٰ کرے اور پھر لوگوں کو متنفر کرکے ان کو تنگی میں ڈال دے(۴).

عنوان نمبر۲۱: مصحف کی طرف پاؤں کو پھیلانا:

عام صورتحال:

بعض نمازی بغیر کسی ضرورت کے پاؤں کو مصحف یا مصاحف کی طرف پھیلاتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

ان مصاحف (کُتب) میں کبھی قرآن کریم بھی ہوتا ہے، اور قرآن کریم کا احترام سب کتابوں (مصاحف) سے زیادہ کرنی چاہیئے، امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ قرآن کریم کی حفاظت اور اسکے احترام پر علماء کرام نے اجماع کیا ہے.(۱)

اور پاؤں کو عام مصاحف کی طرف پھیلانے کو بے ادبی قرار دیا ہے، اور قرآن کریم کی طرف بعض علماء نے مکروہ اور بعض نے حرام کہا ہے.

اور احناف میں سے ابن نجیم رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ نیند اور غیر نیند دونوں حالتوں میں قرآن کریم یا عام کتب فقہ کی طرف پاؤں کو پھیلانا مکروہ ہے، ہاں اگر یہ مصحف یا کتب کوئی اونچی جگہ پر ہو تو اور بات ہے.(۲)

حنابلہ نے اسکے بارے میں کراہت اور تحریم دونوں کا قول کیا ہے (بعض نے مکروہ اور بعض نے حرام قرار دیا ہے) یہ قول ابو النجاء المقدسی نے ذکر کیا ہے.

---

(۱) المجموع: ۲/ ۸۴.

(۲) البحر الرائق: ۲/ ۳٦.

(۳) الإقناع: ۱/ ٦۲.

(قرآن کریم کی طرف پاؤں پھیلانا مکروہ ہے اور اسی طرح پیٹھ کرکے بیٹھنا اور پامال کرنے کا حکم بھی یہی ہے یعنی یہ بھی مکروہ ہے[٣].

ابن مفلح نے فرمایا:

کہ مصحف کو ٹیک لگانا مکروہ ہے، اور ابن احمد رحمدان نے تحریم کو پسند کیا اور مغنی نے بھی ٹیک لگانے کی حرمت پر جزم کیا ہے، اور اس طرح فقہ کی کتابیں جس میں قرآن ہو تو اُن پر ٹیک لگانا حرام ہے، اگر اس میں قرآن نہ ہو، تو پھر مکروہ ہے اور اسکے قریب ہر وہ چیز ہے جس میں فقہی کتابیں وغیرہ ہوں.[١]

بعض شوافع بھی حرمت کے قائل ہیں، موقع الاسلام سؤال وجواب.[٢]

عنوان نمبر ٢٢: نمازی کا قبلہ کی طرف یا بیٹھنے والوں کی طرف پاؤں پھیلانا، یا قرآن کی تلاوت کے دوران لوگوں کے سامنے انگلی سے ناک صاف کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی حضرات مسجد میں قبلہ کی طرف پاؤں پھیلاتے ہیں یا بیٹھنے والوں کی طرف اور کبھی اس طرح بیٹھنا مسجد کے علاوہ اور جگھوں میں ہوتا ہے، اور اپنی انگلی سے حاضرین کے سامنے ناک صاف کرتے ہیں.

نصیحت اور بیان:

---

(١)الآداب الشرعية: ٢/ ٢٨٥.

(٢) تحفة المحتاج شرح المنهاج لابن حجر الهيتمي: ١/ ١٥٥.

وانظر: مواقع (الإسلام سؤال وجواب).

تو مذکورہ صورتحال اختیار کرنا اگرچہ اسکے منع ہونے پر کوئی خاص دلیل نہیں، لیکن نا مناسب ہے اور اس میں لوگوں کو باطنی طور پر تکلیف دینا ہے اور دوسروں کو تکلیف دینا حرام ہے.

اور قبلہ اللہ تعالی کے نزدیک محترم اور پاک ہے تو اس کی طرف پاؤں پھیلانا بھی نا مناسب ہے.

ابو عبد الرحمٰن الجزائری نے اس سؤال کے جواب میں فرمایا کہ: کسی مجمع میں لوگوں کی طرف پاؤں پھیلانا خواہ مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں قبلہ کی طرف ہو یا غیر قبلہ کی طرف، تو یہ خلاف مروت اور خلاف سنت ہے، اور اس منع پر عام نصوص (جس میں اچھے رویئے کو اپنانے کا تذکرہ ہو) دلالت کرتے ہیں.

بہت سے فقہاء نے مجلس میں پاؤں پھیلانے کو خلاف ادب کہا ہے.

ان میں سے بعض فقہاء یہ ہیں:

ابوبكر محمد بن الوليد الطرطوشي المالكي، فيما نقله عنه القاضي عياض في بغية الرائد ص (٣٩) والنووي في روضة الطالبين (٢٣٢/ ١١) ومجد الدين ابن تيمية في تحرير (٢٦٩ ـ ٢٦٨/ ٢) وابن قدامه المقدسي في المغني (١٥٢/ ١٤)في كتاب الشهادات، وفي زاد المستقنع مختصر المقنع لأبي النجا الحجاوي، ووافقه شارحه ابن عثيمين في الشرح الممتع (٦/ ٢٢٦) في كتاب الشهادات أيضا، والبهوتي في الروض المربع (٣٧٥) وطاهر الجزائري في توحيه النظر (١ـ٩٨) وانظر المروءة وخوارمها للشيخ مشهور بن حسن (١٦٧ _ ١٦٦).

پھر تنبیہات ذکر کئے ہیں:

پہلی تنبیہ:

عام لوگوں کے درمیان میں پاؤں پھیلانا غیر مستحسن ہے ہاں اگر کوئی شخص اپنے بھائیوں یا ساتھیوں یا شاگردوں کے ساتھ یا اکیلے بیٹھا ہو، پھر پاؤں کو پھیلانا ممنوع نہیں، اس لئے کہ علماء کرام نے حالات کی بناء پر احکام کے درمیان فرق کیا ہے.

دوسری تنبیہ:

عذر کی وجہ سے عام لوگوں کے سامنے بھی پاؤں پھیلانے میں کوئی مضائقہ نہیں اگرچہ ان سے حتی الامکان بچنااور وقار وسکون سے بیٹھنا ضروری ہے۔

تیسری تنبیہ:

کبھی بعض کاموں کو انسان اپنے خواص اور دوستوں کے سامنے کرتا ہے جیساکہ ناک کو انگلی سے صاف کرنا وغیرہ[1] (تو یہ عام لوگوں کے سامنے کرنا ٹھیک نہیں) بلکہ یہ صفائی تنہائی میں کرنی چاہئے۔

عنوان نمبر ۲۳: مسجد میں بچوں کو ترتیب سے صف بستہ کرنا:

عام صورتحال:

اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) بعض نمازی مرد اور عورتیں اپنے بچوں کو مسجد لے جاتے ہیں یہ ایک اچھا کام ہے جس سے وہ نماز کے عادی بن جائیں گے، لیکن کبھی یہ بچے صفوں میں غلط حرکات کی وجہ سے نمازی مردوں اور عورتوں کی نماز میں خلل ڈالتے ہیں۔

(۲) کبھی بچے اپنے بڑوں کیساتھ پہلی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

وعظ اور نصیحت:

پہلی بات:

ممیّز (اچھے اور بُرے کام میں تمیز کرنے والے) بچے کو مسجد لے جانا اچھا کام ہے، اور بچہ سات سال کی عمر میں غالبا ممیّز ہو جاتا ہے، غیر ممیّز بچے کو مسجد میں نہیں لانا چاہئے، اور وہ ماں باپ جو بچے کو اپنے ساتھ مسجد میں لے جاتے ہیں، تو ضروری ہے کہ اُن کے غلط حرکات کو نرمی سے ترتیب وار بنائیں نہ کہ سختی اور شدت سے۔

---

(۱) موقع إرشيف ملتقى أهل الحديث: ۳.

اور بچوں کو مسجد کے آداب کی تعلیم ضرور دیں، بچوں کو مسجد میں لے جانے سے وہ نماز کے عادی بن جاتے ہیں، اور مسجد جانے کا شوق بھی پیدا ہو جاتا ہے، اور ساتھ ساتھ وعظوں کو سن کر اُن سے محبت پیدا ہو جاتی ہے.

دوسری بات:

بعض حضرات بچوں کو مسجد سے بھگاتے ہیں اس حدیث کی بنیاد پر:

﴿جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم﴾.

ترجمہ: اپنے مسجدوں کو بچوں اور پاگل لوگوں سے بچاؤ، یہ کام سنت کے خلاف ہے.

﴿عن بريدة، قال: خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأقبل الحسن، والحسين رضي الله عنهما، عليهما قميصان أحمران يعثران ويقومان، فنزل فأخذهما، فصعد بهما المنبر، ثم قال: صدق الله: إنما أموالكم وأولادكم فتنة، رأيت هذين فلم أصبر، ثم أخذ في الخطبة﴾.(١)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ دے رہے تھے، اتنے میں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں لال قمیص پہنے ہوئے گرتے پڑتے آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر سے اتر پڑے، انہیں اٹھا لیا اور لے کر منبر پر چڑھ گئے پھر فرمایا: اللہ تعالی نے سچ فرمایا ہے: (انما اموالكم واولادكم فتنة) (التغابن: ۱۵) تمہارے اموال اور اولاد آزمائش ہیں میں نے ان دونوں کو دیکھا تو میں صبر نہ کر سکا، پھر آپ نے دوبارہ خطبہ دینا شروع کر دیا.

(۲) چھوٹے صحابہ جیسے انس بن مالک رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین، کے بیٹے مسجد میں داخل ہوتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انکو منع نہیں فرماتے تھے.

---

(١) صحيح أبي داؤد ١١٠٩.

جو حدیث (اپنے مسجدوں کو بچوں سے بچاؤ) کا ذکر ہوا بعض علماء نے فرمایا کہ اسکی کوئی ثبوت نہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ انتہائی ضعیف روایت ہے۔

ہاں اگر بچہ بالکل چھوٹا ہو جو قابل تعلیم نہ ہو یا ماں باپ کو انکے اوپر مسجد میں دسترس نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ انکو مسجد نہ لے جائیں یہاں تک کہ اُس میں تعلیم قرآن کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

دوسری بات:

متولی کیلئے مناسب ہے کہ بچوں کو پہلی صف میں نہ چھوڑے اور پہلی صف کو بڑوں کیلئے خالی کر دے، کبھی بچوں کے سرپرستوں میں شفقت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے جسکی وجہ سے وہ اپنے بچوں کو پہلی صف میں چھوڑ دیتے ہیں تو سنت پر عمل کرنا شفقت کرنے سے بہتر ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے مردوں پھر بچوں اور پھر عورتوں کے صف بناتے تھے، اور کبھی بعض ائمہ حضرات بچے کے سرپرست کے خاطر (کہ ناراض نہ ہو جائے) بچے کو جانے کا حکم نہیں کرتے۔

عنوان نمبر ۲۴: مسجد میں جو (اے _ سی) یا گرمائش وغیرہ کے آلات ہوتے ہیں ان میں تصرف کرنا اور مسجد کی روشنی کو نمازیوں کے رخصت ہونے سے پہلے بند کرنے کو سنت سمجھنا:

عام صورتحال:

مسجد میں تبریدی یا گرمائشی آلات ہوتے ہیں جیسے (اے _ سی _ ہیٹر وغیرہ) یا کوئی بھی استعمال ہونے والی چیزیں، بعض نمازی اپنی مصلحت کیلئے استعمال کرتے ہیں، اور سرفہرست ان میں سے (اے _ سی) ہے جو گرمی کے موسم میں ہوتی ہے، تو امام یا مسجد کا متولی ان کو نماز سے پہلے ہی لگاتے ہیں، پھر وہ نمازی جو اپنی مصلحت کا ارادہ رکھتا ہو اُسکو بند کر دیتا ہے اور دوسروں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

بعض نمازی حضرات مسجد کے لائٹس کو نمازیوں کے جانے سے پہلے بند کرنے کو سنت سمجھتے ہیں۔

وعظ اور نصیحت:

نمازی کا اپنی مصلحت کی بناء پر (اے _ سی) کو بند کرنا (جس سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف ہو) جائز نہیں، اس لئے کہ یہ غیر کے حق میں تصرف ہے اور ہر وہ چیز جو لوگوں کے درمیان مشترک ہوتی ہے خواہ

مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں تو ایک شخص کیلئے اپنی ذاتی مصلحت کی بنیاد پر اسکو بند کرنا یا کھولنا جائز نہیں، ہاں اگر سب لوگوں سے اجازت لے کر تصرف کیا جائے تو پھر کوئی قباحت نہیں.

اور کبھی نمازی کا یہ تصرف (یعنی اے، سی بند کرنا) اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اُس کو ٹھنڈ سے تکلیف ہوتی ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ اِس نمازی کیلئے بہتر یہ ہے کہ اپنے سر کو کسی کپڑے سے ڈھانپ کر اپنے آپ کو ٹھنڈ سے بچائے، یا مسجد میں اپنے لئے ایسی جگہ منتخب کرے جہاں اُسکو (اے، سی) سے کوئی تکلیف نہ ہو، لیکن اپنی تکلیف کی وجہ سے (اے، سی) کو بند کرنے کی آپکو کوئی اجازت نہیں.

مذکورہ طریقوں پر مسجد کے آلات میں تصرف کرنے کی ممانعت پر دلائل:

(ا) میں کہتا ہوں! کہ ہر وہ چیز جسکی نفع لوگوں میں مشترک ہو تو کسی ایک کیلئے جائز نہیں کہ دوسروں سے اجازت لئے بغیر اسکو استعمال کرے، کیونکہ اسمیں مشترک نفع کو اپنے پاس ذخیرہ اندوز کرنے کا شبہ ہے اور اس ذخیرہ اندوزی کو احتکار کہتے ہیں، اور شریعت میں احتکار حرام ہے تو جب یہ نمازی اُٹھ کر (اے، سی) بند کردے تو گویا اس نے ساری منفعت اپنے پاس ذخیرہ کرلی.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذخیرہ اندوزی (حاجت کے وقت) نہیں کرتے مگر خطاکار(۱).

اور احتکار ہر وہ چیز میں ہوتی ہیں، جو تمام لوگوں کو اسے بند کرنے سے ضرر ہو، مالکیہ اور اہل ظواہر نے اس پر قول کیا ہے، اور احناف میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور علامہ شوکانی رحمہ اللہ اور صنعانی رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے(۲).

---

(۱) مسلم (١٦٠٥).

(۲) الاحتكار: دراسة فقهية مقارنة، أحمد عرفة، الموقع الإكتروني (صيد الفوائد).

(۳) مسلم (٦١٥).

(۴) حديث حسن رواه ابن ماجه والدار قطني وغيرهما، الوافي في شرح الأربعين النووية، ص ٢٣٩، مصطفى البغا ـ محيي الدين مستو، ط٨، ١٤١٨هـ، ١٩٩٨م، دار الكلم الطيب، دمشق ـ بيروت.

(۲) (اے، سی) بند کرنا سارے نمازیوں کو تکلیف دہ ہے، جو شرعا حرام ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرمی کے موسم میں نماز کو تاخیر سے اداء کرنے کا حکم کیا ہے کہ (جب گرمی سخت ہو تو نماز ٹھنڈا ہونے پر پڑھو) تاکہ موسم ٹھنڈا ہو جائے اور لوگوں کو گرمی سے تکلیف نہ ہو[۳].

(۳) ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! (اسلام میں نہ خود کو ضرر دینا ہے، نہ دوسروں کو)[۴]، یعنی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے نفس کو ضرر دے یا دوسروں کو.

یہ حدیث ابن ماجہ اور دار قطنی نے نقل کیا ہے اور حدیث حسن ہے، الوافی شرح اربعین النوویہ صفحہ ۲۳۹، مصطفیٰ البغا_ محیی الدین مستو، ط۸، ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۸م، دار الکلم الطیب، دمشق_ بیروت.

﴿عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أيضا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «لا ضرر ولا ضرار من ضار ضاره الله، ومن شاق شاق الله عليه»﴾[۱].

ترجمہ: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے فرمایا! کہ نہ ضرر ہوگا نہ اضرار جس نے ضرر دیا اللہ تعالی انکو ضرر دیگا، جس نے مشقت میں ڈالا اللہ جل جلالہ انکو مشقت میں ڈالے گا.

(۴) کبھی یہ تصرف کرنا ان آلات کیلئے خرابی کا ذریعہ بنتا ہے جسکی ذمہ داری پھر مسجد کے ذمہ داران پر ہوتی ہے.

(۵) ایک نمازی کو (اے، سی) سے تکلیف ہونا ضرر خاص ہے، اور بند کرنا ضرر عام ہے اور قاعدہ صراحتاً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ضرر عام کو دفع کرنے کیلئے ضرر خاص برداشت کرنا پڑتا ہے.

---

(۱) المستدرك على الصحيحين رقم الحديث ۲۳۴۵، ۳/ ۸۸۳، تحقيق: حمدي الدمرداش محمد ط ۱، ۱۴۲۰هـ ...۲م، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازی کو ہر اس کام سے روکا ہے جسمیں نمازیوں کو ضرر لاحق ہوتا ہو، جیساکہ (گردنیں پلانگنا) جسکی وضاحت گزر چکی ہے، (کہ ایک شخص خطبہ کے دوران لوگوں کی گردنیں پلانگتا ہوا آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ السلام نے فرمایا: بیٹھ جاؤ تم نے تکلیف دیا).

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لہسن اور پیاز کھانے والوں کو نمازیوں کیساتھ نماز میں شریک ہونے سے منع کیا ہے.

یہ اس لئے کہ اس میں دوسروں کو ضرر لاحق ہوتا ہے، اور اس پر ہر وہ چیز قیاس ہے جس میں دوسروں کو ضرر ہو، مسجد کے لائٹس کو نمازیوں کے نماز پورے کرنے سے پہلے بند کرنا، چاہے امام کرے، یا مؤذن یا اور کوئی شخص تو اس میں نمازیوں کو جلدی میں ڈالنا ہے، اور انکے فکر کو مشغول کرنا ہے اور یہ جلدی کبھی نماز اور اسکے ارکان میں جلدی کرنے تک مؤدی بن جاتی ہے تو نماز ناقص ہو جاتی ہے، اور لائٹس کو بند کرنا اور لگانا یہ نمازیوں کا کام نہیں، بلکہ یہ ان ذمہ داران کا کام ہے جو مسجد میں مقرر ہیں اور ان ذمہ داران کیلئے بھی مناسب نہیں کہ لائٹس بند کرنے میں جلد بازی کرے.

عنوان نمبر ۲۵: تاخیر سے آکر فرض سے پہلے والے سنت پڑھنا:

وعظ اور نصیحت:

نمازی کبھی دیر سے آکر پہلی صف میں سنت کیلئے کھڑا ہو جاتا ہے فضیلت حاصل کرنے کی حرص سے حالانکہ جماعت کھڑی ہونے کیلئے وقت بالکل قریب ہوتا ہے، یہاں تک کہ نماز شروع ہو کر صفیں بھی درست ہوتی ہیں، اور یہ نماز میں لگا رہتا ہے، تو یہ کام صفوں میں خالی جگہ رہنے کا سبب بن جاتا ہے.

وعظ اور نصیحت:

اس نمازی کیلئے چاہئے کہ وہ دائیں یا بائیں طرف کھڑا ہو جائے (تاکہ درمیان میں خلل پیدا نہ ہو) اور سنت پوری کرلے، لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ سنت مؤکدہ اگر وقت کم ہو، تو فرض کے بعد اداء کئے جائیں.

عنوان نمبر ۲۶: قرآن کی تلاوت کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی حضرات خطبے کے دوران قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

کوئی صریحی نص اس پر وارد نہیں کہ جس میں خطبے کے دوران قرآن پڑھنے سے منع کیا ہو، لیکن خطبہ سننا اور چپ رہنا خطبے کے دوران واجب ہے، ہاں اگر خطبہ نہیں سنتا ہو، تو اس کیلئے قرآن پڑھنا یا ذکر کرنا یا درود پڑھنا سب جائز ہے.

وہ احادیث جو خطبہ سننے کے وقت چپ بیٹھنے کے واجب ہونے اور خطبہ کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول نہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں.

﴿روى أبو هريرة رضي الله عنه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من اغتسل ثم أتى الجمعة فصلى ما قدر له، ثم أنصت حتى يفرغ الإمام من خطبته، ثم يصلي معه غفر له ما بينه وبين الجمعة الأخرى، وفضل ثلاثة أيام»﴾[1].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جس نے غسل کیا اور پھر جمعہ پڑھنے آیا توفیق کے مطابق نماز پڑھی پھر خاموش رہا حتی کہ امام خطبہ سے فارغ ہو جائے پھر امام کے ساتھ نماز پڑھی ہے تو اس کے لئے (اس) جمعہ سے لے کر (آنے والے) جمعہ تک بلکہ تین دن مزید تک گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں.

تو اس حدیث میں **(ثم أنصت حتى يفرغ الإمام من خطبته)** (پھر خاموش رہا حتی کہ امام خطبہ سے فارغ ہوجائے) ذکر ہوا، تو جو شخص قرآن پڑھتا ہے خطبے کے دوران، تو کیسے خطبہ سننے کیلئے چپ رہے گا، حالانکہ وہ قرآن میں مشغول ہے.

---

(۱)مسلم: ۸۵۷. (۲) تفسير القرطبي: ۹/ ۸۱.

ایک اور روایت میں ہے: (ثم أتي الجمعة فدنا واستمع وأنصت غفر له ما بينه وبين الجمعة الأخرى، فقد قال: (استمع وأنصت)). **ترجمہ:** (پھر آیا جمعہ پڑھنے کیلئے اور خطبہ سنا اور چپ رہ گیا تو ان کیلئے اس جمعہ سے آنے والے جمعہ تک گناہوں کی مغفرت ہوگی)، پھر فرمایا! (فاستمع وانصت) یعنی سنا اور چپ بیٹھ گیا.

اللہ تعالی نے فرمایا! (إذا نودي للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله (الجمعة: ١٠)) **ترجمہ:** جب جمعہ کے دن آذان ہو جائے تو نماز کی طرف جلدی کرو.

اور بعض علماء نے ذکر اللہ کا تفسیر خطبے سے کیا ہے اور (فاسعوا) میں امر وجوب کیلئے ہے، تو خطبہ سننا واجب ہے، امام قرطبیؒ رحمہ اللہ نے ذکر اللہ کی تفسیر فرمایا! کہ ذکر اللہ میں وہ چیزیں داخل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کے طور پر کئے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور خلفاء راشدین کی مدح اور اتقیاء اور صلحاء کی مدح اسی طرح وعظ اور نصیحت سارے ذکر اللہ میں داخل ہیں[1].

عنوان نمبر ۲۷: دعا کے وقت ہاتھوں کو اٹھانا اور جب دعا ختم ہو جائے تو اس سے چہرے کو مسح کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازیوں نے فہم کیا ہے کہ خطبے کے دوران یا فرض نماز کے بعد یا سنت کے بعد یا اور حالتوں میں جو دعائیں ہیں اُسمیں ہاتھوں کا اٹھانا جائز نہیں، اس لئے انہوں نے بعض علماء سے سنا ہے، کہ یہ بدعت اور ناجائز ہے، اور بہت سے نمازی دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

(۱) ہاتھوں کو اٹھانا دعا کے دوران قولا اور فعلا دونوں طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتفاقی طور پر سارے حالات میں ثابت ہے - امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کیا اور پھر ہاتھوں کو اٹھایا حتی کہ میں نے انکے بغلوں کی سفیدی دیکھی.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں کو اٹھایا اور فرمایا! اے اللہ میں براءت کا اعلان کرتا ہوں اس فعل سے جو خالد رضی اللہ عنہ نے کیا[۲].

(۲) وہ علماء کرام جو خطبے کی دعا کے دوران ہاتھ اٹھانے کو ناجائز قرار دیتے ہیں، تو انہوں نے حضرت انس رضی اللہ کی روایت سے استدلال کیا ہے، کہ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے مگر نمازِ استسقاء میں اٹھاتے تھے حتی کہ انکے بغلوں کی سفیدی نظر آتی تھی[۳].

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو کہا یا رسول اللہ، بکریاں وغیرہ ہلاک ہوگئیں، اور اہل عیال سارے لوگ ہلاک ہوگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کی[۱].

تو میں کہتا ہوں: کہ جو احادیث عنوان (**نمبر۱**) میں میں نے ذکر کئے ہے اور جو اسکے علاوہ ہیں ساری کی ساری اس بات پر دلالت کرتی ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں کو ہر قسم کی دعا میں اٹھاتے تھے (مطلّقا).

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (فقط) استسقاء میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور اسکے علاوہ دعاؤں میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں تطبیق ذکر کیا ہے ان دونوں احادیثوں میں، کہ جس حدیث میں نفی وارد ہے، وہ خاص کیفیت کی نفی ہے نہ کہ مطلّقا، اور استسقاء میں جس نوعیت سے ہاتھ اٹھاتے تھے وہ دوسری جگہوں سے مختلف تھی.

---

(۱) البخاري: ٦٣٤١.

(۲) البخاري: ١٠٣١.

(۳) البخاري: ١٠٢٩.

(۱) یا تواستسقاء میں زیادہ مبالغہ پر محمول ہے کہ دعاؤں میں کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے، اور استسقاء میں چہرے تک، اس پر یہ (حتى يرى بياض إبطيه) **ترجمہ:** (یہاں تک کہ بغلوں کی سفیدی نظر آتی تھی) بھی دلالت کرتی ہے، کہ استسقاء میں یہ حالت ہوتی تھی.

(۲) یا اس طرح تطبیق ہوجائے کہ عام دعاؤں میں دونوں ہاتھ اسمان کے قریب تھے اور استسقاء میں زمین کے قریب، ابن المنذر نے فرمایا کہ! اثبات والی جانب راجح ہے خاصکر ان احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے جس میں رفع الیدین عند الدعاء کا تذکرہ ہے[۲].

(۳) امام مسلم رحمہ اللہ نے عمارہ بن رؤیبہ سے روایت کیا ہے فرمایا کہ (عمارہ بن رؤیبہ نے بشر بن مروان کو دیکھا کہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، دوران خطبہ انہوں نے دعا کیلئے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا، تو صحابی رسول عمارہ بن رؤیبہ نے فرمایا: اللہ تعالی ان دونوں ہاتھوں کو برباد کردے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی شہادت کی انگلی سے زیادہ اشارہ نہیں فرمایا)[۱].

مندرجہ ذیل کلام سے گزشتہ باتیں معلوم ہوتے ہیں:

(۱) ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے معلوم ہوا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے، اور عمارہ بن رؤیبہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، (لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ما يزيد على أن يقول بيده هكذا..) یعنی اشارہ کرتے تھے انگلی سے تو علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے تطبیق کیا دونوں حدیثوں میں، اور ابن المنذر رحمہ اللہ نے بھی اثبات کی جانب کو راجح قرار دیا.

(۲) خطبہ کے دوران ہاتھوں کو اٹھانا بعض شارحین نے اسکو مکروہ کہا ہے، علامہ احوذی رحمہ اللہ نے فرمایا! یہ حدیث (عمارہ بن رؤیبہ) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ممبر پر دعا کرتے وقت ہاتھوں کو اٹھانا مکروہ ہے.

---

(۱) فتح الباري: ۱۱/ ۱۷۰، ۱۷۱.

(۲) البخاري: ۱۰۲۹.

(۳) حدیث عمارہ سے خطیب کیلئے خطبے کے دوران ہاتھ اٹھانا مکروہ معلوم ہوتا ہے نہ کہ سننے والوں کیلئے، علامہ احوذی رحمہ اللہ نے بھی اس پر تصریح کی ہے، کہ (ممبر پر ہاتھ اٹھانا خطبے کے دوران) خطیب کیلئے ہے نہ کہ سننے والوں کیلئے.

(۴) حدیث عمارہ سے یہ بات صراحتًا معلوم نہیں ہوتی، کہ بشر بن مروان نے دعا میں ہاتھ اٹھائے تھے، اس لئے یہ احتمال بھی ہے، کہ دعا کے بغیر خطبے میں ہاتھ اٹھائے ہوں، جیساکہ طبعی طور پر خطیب اپنے کلام میں اشارے کرتا ہے، تو معنٰی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبے میں فقط شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے، نہ کہ ہاتھ سے یہ سہارنپوری رحمہ اللہ کی وضاحت سے بھی معلوم ہوتا ہے جو اس نے حدیث (عمارہ) کی تشریح میں ذکر کی ہے.

حاصل اسکا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تھے تو شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے ہاتھوں سے اشارے نہیں کرتے تھے تو ہاتھوں سے اشارے کرنا خلاف سنت اور مکروہ ہے[۲].

(۵) خطبے کے دوران میں جو دعا ہوتی ہے، اسمیں خطیب اور سامع دونوں کیلئے ہاتھ اٹھانے کی بھرپور گنجائش ہے، چاہے تو ہاتھ اٹھائے چاہے تو نہ اٹھائے، ہاں ہاتھوں کو چہرہ پر پھیرنا انکے بارے میں علامہ ابن باز رحمہ اللہ نے فرمایا! کہ علماء کرام نے اسمیں اختلاف کیا ہیں، بعض نے اسکو مستحب کہا ہیں، اور بعض نے غیر مستحب، اس لئے کہ صحیح حدیثوں میں انکا تذکرہ نہیں ہے، البتہ ضعیف حدیثوں میں مسح الوجہ کا تذکرہ ہے، تو کرنے میں کوئی حرج نہیں اور چھوڑنا افضل ہے (ان شاء اللہ).

چہرے پر ہاتھ پھیرنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ بعض علماء نے انکو حسن اور مستحب کہا ہے، اور جو احادیث مسح الوجہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، علماء کا کہنا ہے کہ یہ مؤید بالاحادیث ہیں یعنی اس کی تائید

---

(۱) مسلم: ۲۰۱٦.

(۲) السهارنفوري: خليل بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد، تحقيق: تقي الدين الندوي، ط۱، ۱۴۲۷هـ، ۲۰۰٦م ـ ۵/ ۱۳٦.

دوسرے احادیث میں موجود ہے، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی مسح الوجہ کا استحباب ذکر کیا ہے۔ (البلوغ) دوسرے علماء عدم استحباب کے قائل ہیں۔

حاصل یہ ہوا کہ دعا کے بعد ہاتھ پھیرنا اور نہ پھیرنا دونوں کی گنجائش ہے البتہ ترک (ان شاء اللہ) افضل ہوگا اس لئے کہ صحیح احادیث میں ان کا ذکر نہیں[1]۔

اور یہ ہاتھ پھیرنا اس کیلئے ہے، جو خارج الصلاۃ ہو نہ کہ نماز کے اندر۔

عنوان نمبر ۲۸: عصر کی نماز سے پہلے والے سنت:

عام صورتحال:

بعض نمازی یہ گمان کرتے ہیں کہ عصر سے پہلے کوئی سنت نہیں۔

وعظ اور نصیحت:

عصر سے پہلے سنت غیر مؤکدہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کرتے تھے اور کبھی چھوڑتے تھے، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا! (اس شخص پر اللہ جل جلالہ کی رحمت ہو جس نے عصر سے پہلے چار رکعات پڑھی)، (رواہ ابو داؤد والترمذی واحمد وحسنہ)، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

اور جائز ہے کہ ایک سلام سے چار رکعات اداء کریں یا دو رکعت[1]۔

عنوان نمبر ۱۹: مسجد کے ستونوں کے درمیان باجماعت نماز اداء کرنا:

عام صورتحال:

(۱) مسجد میں جب قالین وغیرہ بچھائے جاتے ہیں، تو یہ ستونوں کے درمیان یا ان سے بہت قریب بچھائے جاتے ہیں۔

---

(۱) موقع الإمام ابن باز.

(۲) بعض نمازی صفوں کو ان ستونوں کے درمیان سے شروع کرتے ہیں، حالانکہ اِن کی کوئی ضرورت یا حاجت نہیں ہوتی، اور دوسری جگہ میں کھڑا ہونا بھی ممکن ہوتا ہے.

وعظ اور نصیحت:

(۱) مسجد کے ذمہ داران کیلئے لازمی ہے کہ صفوں کی لکیر وغیرہ ستونوں کی درمیان میں نہ بنائیں.

(۲) نمازیوں کیلئے ان ستونوں کے درمیان صف بنانا بغیر ضرورت کے مناسب نہیں، اگر ضرورت ہو تو اور بات ہے.

معاویہ بن قرہ نے اپنے والد سے نقل کرتے ہوئے فرمایا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہمیں دو ستونوں کے درمیان صف باندھنے سے منع فرمایا[۲]. (سواری) بمعنٰی ستونیں.

عنوان نمبر ۳۰: کہنیوں کو دھوتے وقت ہاتھوں کو نہ دھونا:

عام صورتحال:

بعض نمازی حضرات وضوء میں کہنیوں کو دھوتے ہوئے ہاتھوں کو نہیں دھوتے ہیں، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ دھونا جو کہ وضوء کے آغاز میں سنت ہے وہی کافی ہے (دوبارہ کہنیوں کیساتھ ہاتھوں کو نہیں دھوتے ہیں).

وعظ اور نصیحت:

جب متوضی اپنے کہنیوں کے دھونے کا ارادہ کرے، تو اسکے ساتھ دونوں ہاتھوں کو دوبارہ دھونا واجب ہے، اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے (وأيديكم إلى المرافق) (اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو) اور

---

(۱) موقع إرشيف الفتاوى.

(۲) موقع الإسلام سؤال وجواب.

(ید) کا اطلاق انگلیوں کی ابتداء سے لے کر کندھے تک ہوتا ہے، لیکن کہنیوں سے اوپر کا حصہ آیت کی رو سے ساقط ہوا ہے.

تو (ید) کی جو تشریح بیان ہوئی، اس سے ہاتھوں کا دوبارہ دھونا ثابت ہوتا ہے، اور جس نے کہنیوں کیساتھ اپنے ہاتھ نہ دھوئے تو اسکی وضوء ناقص ہے اور ظاہری بات ہے جب وضوء ناقص ہوگی تو نماز بھی ناقص ہوگی، (کیونکہ وضوء نماز کیلئے شرط ہے).

عنوان نمبر ۳۱: آستین کو وضوء میں آدھے بازو تک اٹھانا:

عام صورتحال:

بعض نمازی جب وضوء کا ارادہ کرتے ہیں، تو آستین کو سردی کی وجہ سے یا سستی کی وجہ سے پورے نہیں اٹھاتے، بلکہ آدھے بازو تک اٹھاتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

یہ وضوء ناقص ہے اس لئے کہ ہاتھ کو انگلیوں کی ابتداء سے لیکر کہنیوں تک دھونا لازمی ہے، تو آستین کو اوپر کرنا بھی ضروری ہے، (کیونکہ اسکے بغیر دھونا ممکن نہیں)، اور کہنیوں تک پانی پہنچانا لازمی ہے اگر وہاں تک پانی نہیں پہنچایا گیا تو وضوء صحیح نہیں اسلئے کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا! (وأيديكم إلى المرافق) (اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو).

عنوان نمبر ۳۲: اُن جرابوں پر مسح کرنا جو ٹخنوں کو نہ ڈھانپیں:

عام صورتحال:

بہت سے نوجوان ایسے جراب پہنتے ہیں جو ٹخنوں کو نہ ڈھانپنے کے باوجود بھی ان پر مسح کرتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

فقہاء کی اکثریت کا خیال ہے کہ جرابوں پر مسح کے جائز ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ ٹخنوں کو ڈھانپیں.

حضرت شیخ منجد نے فرمایا! ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہیں! کہ موزوں پر مسح کرنے کیلیئے شرط یہ ہے کہ وہ ٹخنوں تک ہو.

اگر وہ ٹخنوں تک نہ ہو تو اس پر مسح جائز نہیں، اور اس لئے کہ جب ٹخنے ظاہر ہو، تو اسکا وظیفہ دھونا ہے اور اگر ڈھانپے ہوئے ہوں، تو پھر وظیفہ مسح ہوگا، یہ مسئلہ مختصر خلیل (۱۷۹) اور حاشیہ قلیوبی اور عمیرہ (۱/ ٦٨) اسی طرح الموسوعۃالفقہیۃ میں دیکھا جائے[1].

بعض علماء نے اس قسم کے جرابوں (جو ٹخنوں تک ہوتے ہیں) پر مسح کرنے کو جائز قرار دیا ہے، لیکن جمہور علماء کی قول مفتٰی بہ ہے خاصکر عبادات میں.

عنوان نمبر ۳۳: وباء پھیلنے پر صحت کی ہدایات پر عمل کرنا:

عام صورتحال:

کبھی لوگ عام وباؤں کے شکار ہوتے ہیں جیسے: (کووڈ۱۹ کورونا وائرس) جو ۲۰۱۹، اور ۲۰۲۰ سے شروع ہوا ہے.

جب صحت کی ہدایات جاری کی جاتی ہیں مجاز احکام کیطرف سے مسجد میں یا باجماعت نماز پڑھنے یا جمعہ کی نماز چھوڑنے کے حوالے سے، تو کچھ نمازی ان ہدایات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی حرص کرتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

---

(۱) موقع (الإسلام سؤال وجواب).

جب اس طرح وباء کی حالت میں ماہرین اطباء کوئی احتیاطی تدابیر پیش کریں، تو اس پر عمل کرتے ہوئے سنت (باجماعت نماز، جمعہ، عیدین) کو چھوڑنا افضل ہے، اس لئے کہ اسمیں عام لوگوں کیلئے مصلحت ہوتی ہے.

عنوان نمبر ۳۴: رنگ ٹون پر آیت یا دعا یا آذان وغیرہ لگانا:

عام صورتحال:

بہت نمازی اپنے رنگ ٹون پر آیت یا آذان یا دعا وغیرہ لگاتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسکا مقصد ایک اچھی نیت ہے، لیکن اگر فون بجتا ہے، اور وہ شخص غسل خانہ میں ہے، اور وہ آواز قرآن کی ایک آیت ہے یا دعا یا آذان ہے، تو یہ ایک قابل اعتراض معاملہ ہے، کیونکہ ایک مسلمان غیر ضروری بات سے نفرت کرتا ہے، جب وہ غسل خانہ میں ہو، تو جب عام کلام کرنا غسل خانہ میں مکروہ عمل ہے، تو قرآن کی آیت اور اللہ تعالی کا ذکر تو بطریقہ اولی مکروہ ہوگا، پھر فون کا مالک فون کی گھنٹی کاٹتا ہے، اور اگر یہ گھنٹی قرآن کی آیت یا اللہ جل جلالہ کے اذکار میں سے کوئی ذکر ہے، تو اسکو معنًی مکمل ہونے سے پہلے بند کرنا شرعاً ممنوع ہے.

الموسوعۃ الفقھیۃ علی موقع (الدرر السنیۃ) میں آیا ہے کہ: چاروں مذاہب کا اتفاق اس بات پر ہے کہ قضاء حاجت کے دوران ذکر کرنا مکروہ ہے، اور اسی طرح آذان کا جواب دینا، یا چھینک کا جواب (یرحمك اللہ) کہہ کر دینا.

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا اس حال میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کر رہے تھے تو اس شخص نے سلام کیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

جواب نہیں دیا، اور دین کا تقاضہ بھی یہی ہے، کہ اللہ تعالی کا نام گرامی تعظیم کی وجہ سے گندی جگہوں میں نہ لیا جائے[1].

عنوان نمبر ۳۵: جن پر غضب ہوئی ہو انکی طرح بیٹھنا:

عام صورتحال:

بعض حضرات نماز یا غیر نماز میں بایاں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے کرکے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر ٹیک لگاتے ہیں۔

وعظ اور نصیحت:

شرید بن سوید نے فرمایا! کہ میرے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور میں اسطرح بیٹھا ہوا تھا، کہ میں نے اپنا بایاں ہاتھ اپنی پیٹھ کے پیچھے رکھ چھوڑا تھا اور اپنے ایک ہاتھ کی ہتھیلی پر ٹیک لگائے ہوئے تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (أتقعد قعدة المغضوب عليهم)[٢] (کیا تم ان لوگوں کی طرح بیٹھتے ہو جن پر غضب نازل ہوا؟)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیٹھنے کو مغضوب علیہم (غضب کیا ہوا) کا بیٹھنا قرار دیا، ہاں اگر دونوں ہاتھوں پر پیچھے کی طرف ٹیک لگایا تو اسمیں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ یہ (مغضوب علیہم (غضب کیا ہوا) کے بیٹھنے کی طرح نہیں، بلکہ اُس سے الگ ہے)[٣]۔

عنوان نمبر ۳۶: خطبہ کے دوران یا دوسری صورت میں دیوار سے ٹیک لگانا اور مسجد کے دروازوں پر بیٹھنا:

عام صورتحال:

---

(١) موقع (الدرر السنية).

(٢) هذا الحديث صحيح، وقد رواه أحمد (١٨٩٦٠) وأبو داؤد (٤٨٤٨)، وابن حبان في صحيحه (٥٦٧٤)، وصححه الحاكم ووافقه الذهبي، كما صححه النووي في رياض الصالحين، (١/ ٤٣٧)، وابن مفلح في الآداب الشرعية: (٣/٢٨٨).

(٣) موقع (الإسلام سؤال وجواب).

بعض نمازی خطبہ یا غیر خطبہ میں دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے بیٹھتے ہیں، اور کبھی قبلہ رُخ بھی نہیں ہوتے اس طرح بیٹھنے سے، اور بعض دروازوں میں بیٹھتے ہیں اس لئے کہ نماز ختم ہوتے ہی جلدی سے باہر نکل جائیں.

وعظ اور نصیحت:

اگر بیماری یا اسطرح کسی اور وجہ سے دیوار سے ٹیک لگانے کی ضرورت ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں، اگر کوئی ضرورت نہ ہو تو نمازی کیلئے بیٹھنا اور قبلہ رُخ ہونا مستحب ہے.

استحباب کی دلیل: جسکو ابن ماجہ نے عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ سے نقل کیا ہے، فرمایا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ممبر پر کھڑے ہوتے تو لوگ انکی طرف متوجہ ہوتے تھے، امام نووی رحمہ اللہ نے المجموع میں فرمایا! لوگوں کیلئے مستحب ہیں کہ خطیب کی طرف منہ کرکے بیٹھے اور خطبہ کے علاوہ کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہو جائیں[١].

امام طبرانی رحمہ اللہ نے الاوسط میں نقل کیا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہر چیز کیلئے ایک سردار ہوتا ہے اور مجلسوں کا سردار قبلہ رُخ کرکے بیٹھنا ہے[٢].

اور مسجد کے دروازوں کے قریب بیٹھنا (مسجد سے جلدی باہر نکلنے کیلئے) جو کوئی ایسا کرتا ہے، تو اُس نے وہ خیر نہیں پایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں بیان کیا ہے (**خير البقاع المساجد وخير أهلها أولهم دخولا وآخرهم خروجا**)، **ترجمہ:** (بہترین جگہیں مساجد ہیں اور بہترین لوگ وہ ہے جو پہلے آتے ہیں اور سب سے آخر میں جاتے ہیں).

عنوان نمبر ۷۳: نماز یا تلاوت یا کوئی ذکر تسبیحات کرنے والوں پر سلام کرنا:

---

(١) موقع طريق الإسلام.

(٢) موقع (الإسلام سؤال وجواب).

عام صورتحال:

کبھی نمازی حضرات مسجد آتے ہی سلام کرتے ہیں، حالانکہ کوئی نوافل یا تلاوت اذکار وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں، اوراسی طرح مسجد سے نکلتے وقت بھی سلام کرتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

افضل یہ ہے کہ ! نماز یا تلاوت یا ذکر یا دعا کرنے والوں پر سلام نہ کیا جائے.

ہاں اگر سلام کیا تو اب نمازی کیلئے ممکن ہے کہ اشارے سے جواب دے نہ کہ کلام کرنے سے.

ابن حجر رحمہ اللہ نے بحوالہ علامہ واحدی رحمہ اللہ ذکر کیا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ سلام کو ترک کیا جائے، اگر سلام کیا تو وہ نمازی اشارے سے جواب دے گا، نہ کہ زبان سے اگر کلام سے جواب دیا تو دوبارہ اعوذ باللہ پڑھ کر قرآت شروع کرے گا.

امام نووی رحمہ اللہ نے ایک سؤال کے جواب میں فرمایا ! کہ قرآن پڑھنے والے پر سلام کرنے میں علماء کا اختلاف ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ سلام کرنا جائز ہے، اور سلام کا جواب دینا اس پر واجب ہے، مگر جو شخص دعا میں مستغرق ہو، پوری توجہ اور دہان کیساتھ ، تو بعض علماء کا کہنا ہے، کہ یہ قرآن پڑھنے والا جیسا ہے، اور راجح قول یہ ہے کہ ان پر سلام کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں ان کو مشقت میں ڈالنا ہے.

شیخ صالح الفوزان نے ان جگہوں کا بیان کیا ہے جہاں سلام کرنا مکروہ ہے.

(۱) ذکر کرنے والے پر.

(۲) نمازی پر سلام کرنا، ایک روایت میں ہے، کہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کیا، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارے سے جواب دیا، تو اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے دوران اگر کوئی سلام کرے تو جواب اشارے سے دینا چاہئے[(۱)].

عنوان نمبر ۳۸: قرآن یا وہ موبائیل جس میں قرآن ہو، زمین پر رکھ کر اس سے تلاوت کرنا:

---

(۱) موقع الآجري.

عام صورتحال:

بعض حضرات قرآن یا وہ موبائیل جس میں قرآن محفوظ ہو زمین پر رکھ کر اس سے تلاوت کرتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

اس طرح کرنا قرآن کی بے عزتی اور بے حرمتی ہے اس سے بچنا چاہیئے، (بہتر طریقہ یہ ہے کہ اسکو کرسی پر رکھ کر یا ہاتھ میں پکڑ کر تلاوت کیا جائے).

عنوان نمبر ۳۹: بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے نماز پڑھنا:

عام صورتحال:

اگر امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو کیا مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھے یا امام کیطرح بیٹھے؟

وعظ اور نصیحت:

جب امام کسی عذر سے قیام کی طاقت نہیں رکھتا ہو (اور وہ عذر یہ ہو کہ کسی ایسی بیماری سے بیمار ہو جس کیلئے صحت یابی کی کوئی امید ہو، اور کھڑے ہونے سے قاصر ہو) تو بہتر یہ ہے کہ کوئی نائب مقرر کرلے، اگر نائب نہ ہو اور وہ امام متعین ہو، تو جب وہ نماز بیٹھ کر شروع کردے تو مقتدی حضرات بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں گے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام اس لئے مقرر ہے کہ اسکی اتباع کی جائے، اور فرمایا! جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے گا، تو مقتدی حضرات بھی بیٹھ کر نماز اداء کریں گے.

اور ہرچہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض وفات میں لوگوں نے کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی تھی، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے، تو اسکا جواب یہ ہے کہ نماز کی ابتداء حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کی تھی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر بیٹھے بیٹھے نماز مکمل کرلی، تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر امام صاحب نماز کی ابتداء کھڑے ہو کر کرلے اور پھر بعد میں کسی عذر کیوجہ سے دورانِ نماز بیٹھ جائے، تو جائز ہے لیکن مقتدی حضرات اس دوران کھڑے ہو کر نماز اداء کریں گے، اور بعض اہل علم نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لوگوں کا کھڑے ہو

کر نماز پڑھنا اس بات کی دلیل ہے، کہ بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے،[1] اور دوسری احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں، کہ بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے، لیکن دونوں قول صحیح ہے، اس میں کوئی حرج نہیں (ان شاء اللہ).

عنوان نمبر۴۰: مسجد میں کوئی جگہ اپنے لئے مختص کرنا:

عام صورتحال:

کچھ نمازی (جائے نماز) چھوڑ کر پہلی صف میں اپنے لئے جگہیں متعین کرتے ہیں، خاصکر اُن نمازوں میں جو قریب قریب ہو جیسے: مغرب وعشاء.

وعظ اور نصیحت:

بیشک یہ صحیح نیت سے کرتے ہیں کہ پہلی صف کی اجر حاصل کریں.

لیکن یہ شرعا صحیح نہیں اس لئے کہ مسجد میں جگہ متعین کرنا صحابہ اور تابعین سے منقول نہیں.

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں فرمایا! (یہ بالاتفاق ممنوع، بلکہ حرام ہے) اجر تو پہلے آنے میں ہے اور جو شخص جگہ متعین کرتا ہے اسمیں آنے والوں کو پریشان کرنا ہے اور کسی مسلمان کو پریشان کرنا جائز نہیں.

مسجد تمام نمازیوں کیلئے ہیں، جب ایک جگہ متعین کیا تو یہ غاصب شمار ہوگا اور علماء کا کہنا ہیں کہ غصب شدہ زمین پر نماز نہیں ہوتی.

پہلی صف کا ثواب اس کیلئے ہے جو پہلے آئے، اور شریعت میں سبقت ہی اصل ہے، تو میں نصیحت کررہاہوں اس شخص کو کہ وہ جگہ متعین کرنا چھوڑ دے، اگر وہ سویرے آنے کا طاقت رکھتا ہے تو اسکو پہلی صف کا اجر ملے گا.

---

(۱) موقع موسوعة الفتاوی.

عنوان نمبر ۴۱: بیٹھے ہوئے مقام پر سو کر وضوء کا خاتمہ:

عام صورتحال:

بعض اوقات نمازی چہار زانوں پر نہیں بیٹھتا بلکہ وہ کسی چیز پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھتا ہے، کہ اگر اسے ہٹا دیا جائے تو وہ زمین پر گر جائے، یا اپنی جگہ پر اسطرح بیٹھتا ہے کہ اپنے **گھٹنوں** کو زمین سے اٹھا کر ہاتھوں سے گھیر لیتا ہے، یا اسکے علاوہ دوسری طرح بیٹھنا جس میں ہوا نکلنے کا قوی امکان ہو۔

وعظ اور نصیحت:

جب متوضی اس طرح بیٹھ کر سو گیا، تو اسکا وضوء ٹوٹ جاتا ہے، اور افضل بیٹھنا چہار زانوں پر بیٹھنا ہے، وہ اس طرح کے انسان اپنے ٹانگیں ایک دوسرے سے ملا کرکے بیٹھ جائے، اِسکو تربع کہا جاتا ہے۔

اس لئے کہ اس طرح بیٹھنے والے نے اپنے آپ کو (مربع) کیا، اور یہاں چار چیزیں ہیں، دو پنڈلیاں اور دو رانیں اور **ربّع** کا معنی ہے (انہیں ایک دوسرے کے پیچھے رکھنا)۔ (۱)

اس طرح بیٹھنے میں ہواء نکلنے کا کوئی امکان نہیں۔

عنوان نمبر ۴۲: نمازی کا مسجد میں نماز کیلئے ایک جگہ خاص کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی حضرات مسجد میں اپنے لئے ایک جگہ مختص کرتے ہیں پھر اسکے علاوہ دوسری جگہ میں نماز نہیں پڑھتیں۔

وعظ اور نصیحت:

یہ سنت نہیں بلکہ خلاف سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے، (**روی أحمد وأبو داؤد عن عبد الرحمن بن شبل قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نقرة الغراب، وافتراش السبع، وأن يوطن الرجل المكان في المسجد كما يوطن البعير**).

---

(۱) موقع الجمهرة.

ترجمہ: امام احمد اور ابو داؤد نے عبد الرحمٰن بن شبل سے نقل کیا ہے فرمایا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں تین باتوں سے منع کیا ہے:

(۱): نماز میں کوّے کی طرح ٹھونگیں مارنا.

(۲): درندوں کی طرح ہاتھ بچھا کر بیٹھنا.

(۳): کہ آدمی مسجد میں کوئی جگہ اپنے لئے مختص کرلے جیسے: اونٹ اپنے لئے جگہ بنالیتا ہے.

اس حدیث کو علامہ البانی نے (السلسلۃ الصحیحۃ) میں حسن کہا ہے.

(**وان يوطن الرجل المكان في المسجد كما يوطن البعير**) کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اونٹ کی طرح کوئی جگہ اپنے لئے مختص کرلے.

مجموع الفتاوی ۲۲/ ۱۹۵، میں شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا! کہ مسجد میں اپنے لئے کوئی جگہ مختص کرنا مکروہ ہے، اور (**ان يوطن الرجل**) (ایطان کا معنٰی یہ ہے کہ اپنے لئے ایک جگہ خاص کرکے اس میں نماز پڑھنا، حالانکہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے)[۱].

(الدرر السنیۃ) میں ہے:

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوّے کی طرح نقرہ (ٹھونگیں) مارنے سے، اور درندوں کی طرح ہاتھ بچھا کر بیٹھنے سے، اور اپنے لئے مسجد میں ایک جگہ متعین کرنے سے منع فرمایا ہے.

روای عبد الرحمٰن بن شبل، محدث البانی، تخریج صحیح ابی داؤد صفحہ یا رقم ۸۶۲.

ایطان کا معنی یہ ہے: (کہ اپنے لئے اونٹ کی طرح ایک جگہ مختص کرکے اسمیں نماز پڑھنا.

اور مختلف جگہوں میں نماز پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ سجدوں کی جگہیں زیادہ ہو جائیں گی، اور یہ نمازی کیلئے قیامت کے دن گواہی کا ذریعہ بنیں گی[۲].

---

(۱) موقع دليل المسجد.

(۲) موقع الدرر السنية.

عنوان نمبر ۴۳: لفظِ (اللہ) کے درمیانی الف میں مدِ زائد کرنا:

عام صورتحال:

بعض مؤذنین اور ائمہ حضرات لفظِ (اللہ) کے درمیانی الف میں مدِ زائد (یعنی مدِ طویل) کرتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

اصل اس "الف" میں دو حرکتوں کے برابر مد کرنا ہے (یعنی ایک الف کے مقدار میں)، اور جو حالتِ وقف ہے تو وہاں چھ حرکاتوں کے برابر مد کرنا جائز ہے، (یعنی تین الفوں کے مقدار پر) اور اس مد کو مدِ عارض کہا جاتا ہے، اور غیر وقف (یعنی وصل) میں دو حرکتوں سے زیادہ مد کرنا مکروہ ہے[1].

لفظ (اکبر) کی باء میں مد کی صورتحال:

عام طور پر اس میں لوگ مد کرتے ہوئے اکبر سے (اکبار) بناتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

اس میں اتنا مد کرنا کہ اکبر سے (اکبار) بن جائے صحیح نہیں، اس لئے کہ اکبر کا معنی (اکبار) سے مختلف ہے.

علامہ جزیری رحمہ اللہ نے آذان کے شرائط بیان کئے ہے.

تو اس میں یہ کہا ہے کہ (**اکبار**) کہنا صحیح نہیں، خواہ (بفتح الھمزہ ہو یا بکسر الھمزہ).

اکبار کا معنی (**بڑا طنبل**) اور اکبار کا معنی (**حیض**) ہے، قصداً اس طرح کہنا انسان کو اپنے دین سے نکال دیتا ہے، یعنی قصداً کہنے سے انسان مرتد ہو جاتا ہے.

اور اکبر میں (**باء**) کو مشدد کرکے پڑھنا بھی صحیح نہیں[2].

---

(۱) إصلاح لحن المؤذنين / عبد السلام الشويعر، ص ۸۷ _ ۸۸، موقع (مداد).

(۲) الفقه على المذاهب الأربعة، ۱/ ۲۴۸.

عنوان نمبر ۴۴: خطبہ کے دوران نمازیوں میں پانی تقسیم کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی خطبے کے دوران پانی تقسیم کرتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

یہ کام صحیح ہے، لیکن خلافِ سنت ہے، اس لئے کہ خطبہ سننا لازمی ہے، اور اسکے بارے میں عنوان نمبر (12) (جو خطبہ کے دوران موبائل سے مشغول ہونے کے بارے میں تھا، اور عنوان نمبر (26) جو خطبہ کے دوران قرآن پڑھنے سے متعلق تھا) وہاں دیکھا جائے.

عنوان نمبر ۴۵: نماز کے انتظار میں بیٹھ کر انگلیوں میں تشبیک کرنا (کہ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسری ہاتھ میں داخل کرنا):

عام صورتحال:

بعض نمازی حضرات نماز کے انتظار میں بیٹھ کر انگلیوں میں تشبیک کرتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

نماز کے انتظار میں بیٹھ کر یا نماز کے اندر تشبیک کرنا مکروہ ہے، موقع (الاسلام سؤال وجواب).

مسجد کے آداب میں سے یہ ہے کہ بندہ اپنے ہاتھوں میں تشبیک نہ کرے.

﴿عن أبي ثمامة الحناط أن كعب بن عجرة أدركه وهو يريد المسجد أدرك أحدهما صاحبه قال: فوجدني وأنا مشبك بيدي فنهاني عن ذلك وقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا توضأأحدكم فأحسن وضوءه ثم خرج عامدا إلى المسجد فلا يشبكن يديه، فإنه في صلاة (رواه أبو داؤد (٥٦٢) وصححه الألباني في صحيح أبي داؤد)﴾.

ترجمہ: ابو ثمامہ حناط نے بیان کیا ہے کہ وہ مسجد جارہے تھے! کہ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں راستہ میں پالیا، تو دونوں ایک دوسرے سے ملے، وہ کہتے ہیں: انہوں نے مجھے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم

پیوست کیئے ہوئے پایا، تو اس سے منع فرمایا! اور کہا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اچھی طرح وضوء کرلے، اور پھر مسجد کا ارادہ کرکے گھر سے نکلے، تو اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست نہ کرے، کیونکہ اب وہ نماز میں ہے، اس حدیث کو البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے، (صحیح ابی داؤد میں).

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مسجد جاتے وقت (تشبیک) نہیں کرنا ہے، اس لئے کہ جس نے مسجد کا ارادہ کیا تو وہ نماز کے حکم میں ہے.

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے تشبیک کا معنٰی کیا ہے! کہ بعض انگلیوں کو بعض میں داخل کرنا.

بعض لوگ تو یہ عبث کام کرتے ہیں، اور بعض لوگ چٹخارے نکالنے کیلئے بیٹھ کر تشبیک کرتے ہیں، اور استراحت کیلئے دو گھٹنوں کو زمین سے اٹھا کر اپنے ہاتھوں سے گھیر لیتے ہیں، کبھی اس طرح بیٹھنا نیند کا ذریعہ بن جاتا ہے، جس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے، تو جو شخص نماز پڑھنے کے لئے مسجد کی طرف روانہ ہو جائے، اُس کیلئے انگلیوں میں تشبیک کرنا صحیح نہیں (معالم السنن).

﴿وقد ورد في حديث أبي هريرة رضي الله عنه في قصة ذي اليدين في موضوع سجود السهو بلفظ: (فقام إلى خشبة معروضة في المسجد فأتكأ عليها كأنه غضبان، ووضع يده اليمنى على اليسرى، وشبك بين أصابعه... رواه البخاري (٤٨٢، ومسلم (٥٧٣)﴾.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس میں قصہ ذوالیدین ذکر ہے (سجدہ سہوہ کے موضوع پر) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھا کر سلام پھیر دی، اس کے بعد ایک لکڑی کی لاٹھی سے جو مسجد میں رکھی ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے، ایسا معلوم ہوا کہ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی خفا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا اور ان کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا.

اس حدیث میں اور پہلے حدیث میں کوئی منافات نہیں، اس لئے کہ یہ تشبیک نماز کے بعد ہے، اور جو ممنوع ہے (وہ نماز میں یا مسجد جاتے وقت ہے)، اس لئے کہ یہ کام خشوع میں مخل ہے.

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب منعقد کیا ہے: (**باب تشبیک الاصابع فی المسجد**)، اس میں بہت سی احادیث ذکر ہیں جو (**تشبیک**) کو جائز ٹھراتی ہیں، ان احادیث میں مندرجہ بالا (ذوالیدین) کی حدیث بھی شامل ہے.

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان روایات میں تطبیق کی ہے.

علامہ اسماعیلی رحمہ اللہ نے اس طرح تطبیق کی ہے، کہ نہی اس شخص کی بارے میں ہے، جو نماز کا ارادہ رکھتا ہو، یا نماز کے انتظار میں ہو، اس لئے کہ نماز کیلئے انتظار کرنے والا نماز کے حکم میں ہے.

پھر علامہ حافظ ابن حجر نے کہا کہ جس روایت میں **ما دام في المسجد** (جب تک نماز میں ہو) کا قید ذکر ہے وہ ضعیف ہے، جیسے: کہ پہلے بیان ہوا. (فتح الباری (۱/۵۶۵)).

بعض نمازی انگلیوں سے چٹخارے نکالتے ہیں، جو خشوع کیلئے مخل ہے، اس لئے کہ اگر خشوع ہوتا، تو اس کے اعضاء وجوارح بھی پُرسکون ہوتیں.

حضرت شعبہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام ہے فرماتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کیساتھ نماز پڑھ رہا تھا، اور اپنے انگلیوں سے چٹخارے نکال رہا تھا، جب میں نے نماز مکمل کی، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا! توماں سے محروم ہو! تم نماز میں چٹخارے نکال رہے ہو. (رواہ ابن ابی شیبة (۲/ ۳۴۴) وقال الالبانی فی إرواء الغلیل (۲/ 99): سندہ حسن).

خلاصہ یہ نکلا کہ نماز کی حالت میں (**تشبیک**) کرنا مکروہ ہے، اور اسی طرح جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا ہو اُس کیلئے بھی تشبیک کرنا مکروہ ہے.

اور نماز کے علاوہ اور حالتوں میں کوئی بات نہیں، **واللہ اعلم**.

احکام حضور المساجد للشیخ عبداللہ صالح الفوزان ص: ٦٧ _ ٦٨[1].

(۱) موقع (الإسلام سؤال وجواب).

عنوان نمبر ۴۶: نمازی کا آذان کے بعد نماز سے پہلے مسجد سے نکلنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی آذان کے بعد نماز سے پہلے مسجد سے نکل جاتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

اگر ضرورت کی بناء پر یا دوبارہ لوٹنے کی نیت پر نکلا ہو، تو کوئی بات نہیں، اگر بغیر ضرورت کے نکلا ہو تو پھر یہ ممنوع ہے.

شیخ ناصر بن سلیمان العمر نے کہا ہے:

کہ حضرت ابو الشعثاء فرماتے ہیں، ! کہ ہم مسجد میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کیساتھ بیٹھے تھے، کہ مؤذن نے آذان دیا، تو ایک شخص کھڑا ہو کر روانہ ہو گیا، تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھیں انکے پیچھے کرکے دیکھا کہ وہ باہر جارہا تھا، تو فرمایا ! اس نے ابو القاسم علیہ السلام کی نافرمانی کی **(رواہ المسلم)**.

شریک بن عبد اللہ النخعی سے روایت ہے (امام احمد رحمہ اللہ کے مطابق) فرمایا ! کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا ہے کہ جب نماز کیلئے آذان ہو جائے اور آپ مسجد میں ہو، تو کوئی بھی نماز پڑھنے کے بغیر باہر نہ نکلے.

فقہاء نے اتفاق کیا ہے ! کہ عذر کی وجہ سے نماز سے پہلے مسجد سے نکلنا جائز ہے.

امام ترمذی رحمہ اللہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ! کہ اہل علم نے اس پر عمل کیا ہے ! کہ آذان کے بعد مسجد سے نہیں نکلنا چاہئے، ہاں اگر عذر ہو تو وہ الگ بات ہے، اس پر بھی اتفاق ہے ! کہ اگر کوئی دوبارہ واپسی کی نیت سے باہر جاتا ہے تو کوئی بات نہیں.

اس پر دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ! جس نے مسجد میں آذان پایا پھر مسجد سے نکل گیا بغیر ضرورت اور بغیر واپسی کی نیت سے، تو وہ منافق ہے، (رواہ ابن ماجہ). پھر اس نکلنے میں اختلاف ہے کہ آیا نہی تحریمی ہے، یا مکروہ ہے، دو قول ہیں:

پہلا قول:

حنابلہ اور احناف کے نزدیک یہ ممانعت تحریمی ہے اور ابن حزم نے بھی اس کو مختار کیا ہے.

دوسرا قول:

مالکیہ، شوافع اور ابو الوفاء کے نزدیک یہ مکروہ ہے اور ابو المعالی جو حنابلہ میں سے ہیں اس کے نزدیک بھی مکروہ ہے[۱].

عنوان نمبر ۷۴: آذان کے دوران قرآن کی تلاوت کرنا:

عام صورتحال:

تلاوت کرتے وقت اگر آذان شروع ہو جائے تو کیا تلاوت کو روکنا چاہیئے آذان کا جواب دینے کیلئے یا جاری رکھنا چاہیئے؟.

وعظ اور نصیحت:

اس میں صرف ابن باز رحمہ اللہ کے جواب پر اکتفاء کرتا ہوں! کہ اُنہوں نے فرمایا! سنت یہ ہے کہ جواب دیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم کی تکمیل کیلئے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے! ﴿إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول، ثم صلوا علي، فانه من صلى علي صلاة صلى الله عليه بها عشرا، ثم سلوا الله لي الوسيلة، **فإنها** منزلة في الجنة لا تنبغي إلا لعبد من عباد الله، وأرجو أن أكون أنا هو، فمن سأل الله لي الوسيلة حلت له الشفاعة، رواه مسلم في صحيحه من حديث عبد الله بن عمرو بن العاس رضي الله عنهما﴾.

ترجمہ: کہ جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے، پھر مجھ پر درود بھیجو، جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالی اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا، پھر میرے لئے اللہ تعالی سے وسیلے کا سوال کرو، وسیلہ جنت میں ایک (ایسا بلند و بالا اور رافع و اعلی) مقام ہے، جس پر بندگانِ الہی میں سے صرف ایک انسان ہی فائز ہوگا، اور امید ہے کہ یہ شرف مجھے حاصل ہوگا، جس شخص نے میرے لئے اللہ تعالی سے وسیلہ

---

(۱) موقع المسلم.

کی دعاء کی اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جائے گی، یہ روایت امام مسلم رحمہ اللہ نے عبد اللہ بن عمر بن العاص سے نقل کیا ہے.

اور صحیحین میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جب تم مؤذن کی آذان سنو تو تم بھی مؤذن کی طرح کلمات کہو.

﴿وفي صحيح البخاري عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من قال حين يسمع النداء:اللّٰهُمَّ رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمدا الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته، حلت له شفاعتي يوم القيامة، زاد البيهقي **بإسناد** حسن (إنك لا تخلف الميعاد)﴾.

ترجمہ: صحیح البخاری میں جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جو شخص آذان کو سن کر یہ کہے (اللّٰهُمَّ رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمدا الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته، حلت له شفاعتي يوم القيامة)، اسے قیامت کے دن میری شفاعت ملے گی، (**دعاء کا ترجمہ:** اے اللہ جل جلالہ: اس دعوتِ کامل اور کھڑی ہونے والی نماز کے مالک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرمادے، اور ان کو اس مقام محمود پر پہنچا دے جس کا تُو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے)، بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت جابر کی بسند جید روایت میں (الذي وعدته) کے بعد (إنك لا تخلف الميعاد) ذکر کیا ہے (سنن الکبری للبیہقی).

اگر آذان کا جواب نہ دیا جائے، تو یہ فوت ہو جائیگا، لیکن اگر آذان کے وقت تلاوت بند کیا جائے، تو وہ فوت نہیں ہوتا، کیونکہ وقت زیادہ ہے بعد میں پڑھ لے گا.

وہ نصیحتیں جو نماز کے اندر والے کاموں کے متعلق ہیں

عنوان نمبرا: آدمی کاٹی شرٹ یارات کے کپڑوں (پاجامہ) میں نماز پڑھنا:

عام صورتحال:

اسمیں دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت:

بعض اوقات نمازی حضرات ٹی شرٹ پہنتے ہیں، جسکی آستین نہیں ہوتی.

دوسری صورت:

اور بعض نمازی نماز کیلئے وہ کپڑے پہنتے ہیں جو رات کو سونے کیلئے لوگ پہنتے ہیں، یہاں تک کہ ان کپڑوں کو عیدین کی نماز کیلئے بھی استعمال کرتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

پہلی صورت:

مستحب یہ ہے کہ نمازی کا کندھا نماز میں کسی کپڑے سے ڈھانپا ہوا ہو اس لئے کہ یہ زینت ہے، اور اللہ تعالی نے نماز میں زینت اپنانے کا حکم کیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے! کہ تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں اس حال میں نماز نہ پڑھے کہ اس کپڑے کا کچھ بھی حصہ اس کے کندھوں پر نہ ہو[1].

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے فرمایا! کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز کا ارادہ کرے تو وہ دو کپڑے پہن کر نماز اداء کرے، اس لئے کہ اللہ جل جلالہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کے سامنے زینت اختیار کی جائے[2].

بعض علماء کرام نے کندھے برہنہ ہونے کی صورت میں نماز پڑھنے پر بطلان کا حکم لگایا ہے[3].

---

(١) مسلم ٥١٦.

(٢) أخرجه الطبراني في الأوسط: ١٠/ ١٧٠ وإسناده حسن.

(٣) المغني لابن قدامه: ٢/ ٢٩.

لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک کندھے ڈھانپنا مستحب ہے، اسلئے کہ وجوب کا حکم صرف سترِ عورت میں ہے.

جمہور فقہاء (مُحْرِمُ) سے استدلال کرتے ہیں، کہ جب محرم احرام کی حالت میں نماز پڑھتا ہے تو اسکی چادر کی درمیانی والا حصہ اسکے گردن پر ہوتا ہے، اور چادر کے جو دو اطراف ہوتے ہیں وہ اسکے سینے پر لٹکتے ہیں، اور اسکے کندھوں کے ساتھ ساتھ پیٹھ اور پیٹ بھی ننگے ہوتے ہیں، لیکن محرم کا اس حالت میں نماز پڑھنا بالاتفاق صحیح ہے[1].

دوسری حالت:

نیند کیلئے جو کپڑے مختص کئے ہیں، اسمیں نماز پڑھنا اچھا نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالی نے ہر نماز میں زینت اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور رات کے کپڑوں میں کوئی زینت نہیں.

اب نمازی کو سوچنا چاہیئے کہ نماز میں وہ اللہ تعالی کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، تو کیا وہ ایک دنیا دار کے سامنے اس حالت میں کھڑا ہونا مناسب سمجھے گا؟ اگر نہیں، تو اللہ جل جلالہ کے سامنے بھی مناسب زینت اختیار کرنی چاہیئے.

عنوان نمبر۲: خفیاں نمازوں میں (جہر) بلند آواز سے قرات کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی سرّی نمازوں جیسے: (ظہر، عصر، اور مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی تیسری اور چوتھی رکعت) میں اونچی آواز سے قرات کرتے ہیں.

اور بعض رکوع اور سجدے میں بلند آواز سے تسبیحات پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے قریبی نمازی تشویش میں پڑ جاتا ہے.

---

(۱) الجامع لأحكام الصلاة وصفة صلاة النبي صلى الله عليه وسلم لشيخ الإسلام ابن قيم الجوزية وجماعة من العلماء. إعداد عادل بن سعد ۳۷ ـ ۳۹.

وعظ اور نصیحت:

سری نمازوں میں بلند آوازی خلافِ سنت ہے، اور جب یہ نمازیوں کیلئے تشویش کا سبب ہو، تو نا جائز ہے.

اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے! (کہ بعض تم میں سے بعض پر تلاوت میں یا نماز میں آوا بلند نہ کریں[1].

بعض علماء کرام نے سری نمازوں میں بلندی کو اتنے اندازے میں (کہ نمازی اسکو خود سن سکے) جائز ٹھرایا ہے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کرتے تھے.

عنوان نمبر ۳: نماز میں اِدہر اُدہر دیکھنا:

عام صور تحال:

بہت سے نمازی نماز میں آگے دائیں بائیں (یا ان چیزوں کو جو اسکے سامنے ہیں) دیکھتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

نماز میں سنت یہ ہے کہ نمازی اپنی نگاہ سجدے کی جگہ پر رکھے، یہ جمہور فقہاء کی رائے ہے.

اور بعض نے تشہد کے وقت شہادت کی انگلی کو دیکھنے کی رائی دی ہے.

سجدے کی جگہ کو دیکھنے پر دلیل وہ حدیث ہے جسکو امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور اس نے انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تھے، تو سجدے کی جگہ کو دیکھتے تھے.

ایک مرسل میں ابن سیرین رحمہ اللہ سے منقول ہے:

کہ (**قد افلح المؤمنون**) آیت کی نزول سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں آسمان کی طرف دیکھتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو پھر سجدے کی جگہ کو دیکھتے تھے[2].

---

(۱)أبو داؤد ۳۲۳.

(۲) أخرجه الحاكم موصولا إلى أبي هريرة.

«شہادت کی انگلی کو دیکھنے کی دلیل»

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ بتایا ہے! کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشہد کیلئے بیٹھتے تھے، تو اس دوران اپنی شہادت کی انگلی کی طرف دیکھتے تھے[1].

عنوان نمبر ۴: لفظِ (آمین) پر سورتِ فاتحہ ختم ہونے کے بعد تلفظ کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی (آمین) کو میمِ مشدّد کیساتھ پڑھتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

میم کو مشدّد کرنا غلط ہے، صحیح تلفظ بغیر شد کیساتھ ہے، اس لئے کہ بغیر شد کے معنٰی یہ ہے: (اے اللہ ہماری دعا قبول فرما)، اور سورة الفاتحہ کے بعد (آمین) کہنے کا مقصد یہ ہے! کہ جو دعا، میں نے سورة الفاتحہ میں کی اس کو قبول فرما، اور میم مشدد کرکے پھر معنٰی ہے، (قصد کرنا) جیسا کہ **(آمّین البيت الحرام)** (مائدہ: ۲) کا معنٰی ہے، (وہ حاجی حضرات جو بیت اللہ شریف کے قصد کرتے ہیں).

عنوان نمبر ۵: نماز میں ہلنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی خاص کر نوجوان طبقہ نماز میں بغیر ضرورت کے بہت ہلتے ہیں، تُو بعض کو دیکھے گا! کہ وہ ابتداء سے انتہاء تک نماز میں یہ حرکات کرتے ہیں، بعض اپنے کپڑوں کو برابر کرتے ہیں، اور بعض اپنی گھڑی کو دیکھتے ہیں، اور بعض اپنے ناخن کو صاف کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ، یہ سب بغیر کسی ضرورت کے کرتے ہیں، اور بعض ان کے علاوہ اپنی داڑھی سے مشغول ہوتے ہیں، اور کبھی یہ حرکت اپنے قریبی ساتھی کو تنگ کرنے کا سبب بن جاتا ہے، اور اس سے نماز کی خشوع اور خضوع ختم ہو جاتی ہے.

---

(۱) رواه أحمد وأبو داؤد، والنسائي، وصححه النووي في شرح مسلم.

وعظ اور نصیحت:

بلا ضرورت نماز میں جو حرکت ہوتی ہے، (اور وہ حرکت نماز کے اعمال میں سے بھی نہیں ہوتی) اگر وہ تھوڑی سی ہو، تو اسکی اجازت ہے، لیکن زیادہ کی قطعاً اجازت نہیں، اور اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، اگر زیادہ حرکت وغیرہ ضرورت کی وجہ سے ہو (مگر زیادہ ہونے کے باوجود الگ الگ رکن میں ہو) تو اسکی بھی اجازت ہے.

کم اور زیادہ حرکت کی معیار! (یعنی کونسی حرکت کم ہے، اور کونسی زیادہ)).

بعض فقہاء نے تین سے کم حرکات کو قلیل کہا ہے، اور تین یا تین سے زیادہ کو کثیر کہا ہے، جب یہ پے درپے ہو.

اور بعض نے کوئی معین معیار مقرر نہیں کیا ہے، دیکھنے والے کے گمان پر چھوڑا ہے، جسکو وہ کثیر کہے تو کثیر اور جسکو قلیل کہے تو قلیل ہے.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس گزاری (اس وقت یہ چھوٹا بچہ تھا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو اٹھ کر نماز پڑھنا شروع کی، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طرف میں کھڑا ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو میرے سر پر رکھا، اور میرے دائیں کان کو اپنے ہاتھ سے پکڑا.

(**يَفْتُلُ**) (اسکو انگلیوں میں زور دیتا تھا)[1].

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ اس لئے کرتے تھے، کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رات کی اندھیرے اور وحشت سے خوف زدہ نہ ہو جائے، اور یہ سمجھے کہ میرے قریب کوئی انسان ہے.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بعض اوقات) اٹھا کر نماز پڑتے تھے، ابو العاص بن ربیعہ بن عبد شمس کی حدیث میں ہے، کہ سجدہ میں جاتے تو اتار دیتے اور جب قیام فرماتے تو اٹھا لیتے[2].

---

(۱) البخاري رقم: ۱۱۹۸.

(۲) رواه البخاري: ۵۱۶.

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے فرمایا! ضرورت کی وجہ سے نماز میں تھوڑی سی حرکت کرنا مباح ہے.

پھر عمل قلیل و کثیر کی بنیاد عرف پر ہے (یعنی جسکو عرف میں قلیل کہا جائے وہ قلیل ہے، اور جس کو کثیر کہا جائے وہ کثیر ہے) الگ الگ حرکات اگر جمع ہو جائے اور یہ زیادہ بنتے ہو، تو یہ قلیل کے حکم میں ہے.

اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کو اٹھانے اور رکھنے سے معلوم ہوتا ہے.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل پر جب زائد ہو جائے تو یہ کثیر کے حکم میں ہے، ہاں اگر ضرورت کی وجہ سے ہو، تو یہ اور بات ہے، ضرورت کا حکم خوف زدہ کی طرح ہے، تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی.

بغیر ضرورت کے یہ عمل کثرت سے کرنا نماز کو باطل کر دیتا ہے[1].

ابن باز رحمہ اللہ سے پوچھا گیا اس شخص کے متعلق جو نماز میں زیادہ حرکت کرتا ہو، کیا اسکی نماز باطل ہے؟ تو انہوں نے فرمایا! بلا ضرورت کے کرنے سے نماز باطل ہوتی ہے، ہاں! اگر عرف کی رو سے قلیل ہو، یا پے درپے نہ ہو، تو نماز باطل نہیں ہوتی، لیکن نمازی کو ضروری ہے کہ خشوع اختیار کرے اور کسی قسم کی حرکت وغیرہ نہ کرے[2].

تو میں ان حضرات کو جو نماز میں زیادہ حرکت کرتے ہیں، یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اس سے باز آؤ، اور اپنی نماز کو باطل ہونے سے بچاؤ، اور خشوع بھی ملحوظ رکھو، اللہ تعالی نے نماز میں خشوع اختیار کرنے والوں کی تعریف کی ہے، (الذين هم في صلاتهم خاشعون) (المؤمنون: ۲) ترجمہ: ایماندار وہ ہیں جو نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں.

اور خشوع اختیار کرنے میں ساتھی کو تکلیف سے بھی بچانا ہے.

---

(۱) المغني: ۳/ ۹۴ ـ ۹۶.

(۲) موقع (الإسلام سؤال وجواب).

عنوان نمبر٦: مسبوق کا رکوع میں تکبیر، تکبیرِ احرام شمار ہوگا:

عام صورتحال:

بعض نمازی تاخیر سے آتے ہیں، اور رکوع میں تکبیر اولیٰ کہتے ہوئے امام کیساتھ شریک ہو جاتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

تکبیرِ تحریم کھڑے ہونے کی حالت میں کہنا لازمی ہے.

عبد الرحمٰن بن حارث نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، اس نے فرمایا! (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر نماز کیلئے تکبیر کہتے تھے، اور پھر رکوع کیلئے)[1].

ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تھے، تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں سے برابر کرتے تھے، پھر تکبیر کہتے تھے، اسلئے کہ ہر عُضو بالکل برابر ہو جائے[2].

تو یہ قول (**معتدلا**) اس بات پر دلالت کرتا ہے، کہ تکبیرِ اولیٰ کھڑے ہونے کی حالت میں کہنی چاہئے نہ کے رکوع میں.

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا! کہ تکبیرِ اولیٰ کے پورے حروف کھڑے ہونے کی حالت میں کہنے چاہئے اگر ایک حرف بھی کھڑے ہونے کی حالت میں نہ کہا، تو نماز صحیح نہیں ہوگی[3].

الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ میں ہے! کہ اگر کسی نے تکبیرِ احرام کو بیٹھ کر یا جُھک کر پڑھا تو صحیح نہیں ہوگی.

---

(١) البخاري: ٧٨٩.

(٢) مختصر سنن أبي داؤد ص٤٤، رقم: ٧٣.

اليمامة للطباعة دمشق اختصار مصطفى البغا، ط: ٢، ١٤١٩هـ، ١٩٩٨م.

(٣) المجموع ٣/ ٢٩.

عنوان نمبر۷: رکوع میں جھکنا:

عام صورتحال:

اسکی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت:

بعض نمازی بغیر کسی مرض سے رکوع میں تھوڑاسا جھکتے ہیں،اور رکوع پورا نہیں کرتے.

دوسری صورت:

اور زیادہ جھکنے میں اپنی پیٹھ کو غلیل جیسا بناتے ہیں.

پہلی حالت:

اگر بیماری کی وجہ سے رکوع میں اچھی طرح نہیں جھک سکے تو جتنی طاقت ہو اتنا جھک جائے.

صحت مند حضرات اچھی طریقے سے یعنی ہاتھوں کی انگلیوں سے دونوں گھٹنے پکڑ کر اپنے ہاتھوں کو اطراف سے دور رکھتے ہوئے پیٹھ کو سیدھی کرکے رکوع کریں.

دوسری حالت:

رکوع میں زیادہ جھکنا بھی نہیں چاہئے، بلکہ نمازی حضرات اپنی پیٹھ کو برابر رکھ کر اپنے سر اور پیٹھ کو بالکل سیدھا کریں گے.

(روى البخاري عن أبي حميد قال: ركع النبي صلى الله عليه وسلم ثم هصر ظهره).

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو حمید سے نقل کیا ہے فرمایا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کی،اور اپنی پیٹھ کو برابر کیا[1].

---

(۱) البخاري: ١٢/ ٢٧١.

تاج العروس میں (**هصر ظهره**) کا معنٰی یہ لکھا ہے! کہ پیٹھ کو زمین کی طرف مائل کر دیا[۱].

زید بن وہب سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا! کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو پوری طرح رکوع اور سجدہ نہیں کرتا تھا، تو فرمایا! آپ نے نماز نہیں کی، اگر تو مر گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت کے علاوہ کسی اور فطرت پر مروگے (یعنی غیر فطرتِ اسلامی پر)[۲].

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کیساتھ نقل کیا ہے! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں پیٹھ کھول کر برابر کرتے تھے[۳].

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جھکنے کی صفت یہ بیان کی گئی ہے، کہ اگر پیٹھ پر پانی بہا دیا جاتا، تو وہ رک جاتا. (الطبرانی فی الکبیر والصغیر).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جب تم رکوع کا ارادہ کرو، تو اپنے ہتھیلیوں کو **گھٹنوں** پر رکھ کر اطمینان کیساتھ رکوع کرو[۴].

عنوان نمبر ۸: نماز میں اوپر کی طرف دیکھنا، اور رکوع سے سر کو اوپر کی طرف اٹھانا:

عام صورتحال:

جب نمازی حضرات رکوع سے سر اٹھاتے ہیں، تو انکے آنکھیں اوپر کی طرف ہوتی ہیں، گویا کہ وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہیں.

---

(۱) تاج العروس للزبيدي ـ ثنى.

(۲) البخاري: ۷۹۱.

(۳) البيهقي.

(۴) رواه أحمد وأبو داؤد بسند صحيح.
محمد ناصر الدين الألباني (صفة صلاة النبي صلى الله عليه وسلم) ص۹۷، ط: ۸۱۴ هـ، ۱۹۸۷م/ المكتب الإسلامي ـ بيروت ـ دمشق.

وعظ اور نصیحت:

نماز میں سجدے کی جگہ کو دیکھنا چاہئے، اوپر کی طرف دیکھنا خلافِ سنت ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے.

(جاء في صحيح البخاري عن أنس بن مالك قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: ما بال أقوام يرفعون أبصارهم إلى السماء في صلاتهم، فاشتد قوله في ذلك حتى قال: لينتهن عن ذلك، أو لتخطفن أبصارهم).[1]

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! لوگوں کا کیا حال ہے جو نماز میں اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہایت سختی سے روکا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ لوگ اس حرکت سے باز آجائیں ورنہ ان کی بینائی اُچک لی جائے گی.

عنوان نمبر۹: نمازی کی وہ چیز جس کو پہنا ہے (زمین پر رکھ کر) اس پر سجدہ کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی مرد اور عورتیں اپنے پہنے ہوئے کپڑوں (چادر، دوپٹا وغیرہ) کو سجدے کی جگہ رکھ کر اس پر سجدہ کرتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

مندرجہ ذیل ضرورتوں کی وجہ سے اس طرح کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہے.

1: جیساکہ زمین پر کیچڑ ہو.

2: گرمی یا سردی کی وجہ سے.

3: زمین میں سجدہ کی جگہ تکلیف دہ چیز ہو.

---

(١) البخاري: ٧٥.

یا ان کے علاوہ اور صورتیں، جو اسکے مشابہ ہو، جس سے نمازی کو ناک اور پیشانی زمین پر رکھنے کے وقت تکلیف ہو، لیکن بغیر ضرورت کے ماتھے اور زمین کے درمیان کوئی حائل نہیں بنانا چاہئے، لیکن ہمارے زمانے میں یہ بہت نادر ہے، اس لئے کہ مسجد اور گھر دونوں میں قالین وغیرہ بچھائی گئ ہوتی ہیں، اور اس پر لوگ سجدہ کرتے ہیں.

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا! کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ وہ بارش کے دن اپنی چادر کو سجدے کی جگہ رکھ کر (کیچڑ سے بچنے کیلئے) اس پر سجدہ کرتے تھے[(١)].

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں! کہ ہم سخت گرمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ نماز پڑھتے تھے، جب ہم میں سے کوئی گرمی کی وجہ سے زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا، تو وہ چادر کو رکھ کر اس پر سجدہ کرتا تھا[(٢)].

یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ضرورت کی وجہ سے انسان اپنی چادر وغیرہ ماتھے کے برابر سجدے کی جگہ پر رکھ کر اس پر سجدہ کر سکتا ہے.

عنوان نمبر ١٠: اپنے دونوں بازوں کو سجدے میں زمین یا اپنے طرفوں سے ملانا:

عام صورتحال:

بعض نمازی دونوں بازوں کو زمین یا اپنے طرفوں سے ملاتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

مسلمان نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر مامور ہے، اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھ کو پڑھتے ہوئے دیکھا ہیں.

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بازوں کو زمین یا اپنے اطراف کیساتھ نہیں ملاتے تھے، ابو حمید الساعدی رحمہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز نقل کرتے ہوئے فرمایا! کہ جب آپ صلی اللہ علیہ

---

(١) رواه أحمد بن حنبل.

(٢) رواه البخاري ـ ومسلم.

وسلم نماز میں سجدہ کرتے تھے، تو اپنے دونوں بازوں کو نہ زیادہ بچھاتے تھے اور نہ بالکل اپنے ساتھ ملاتے تھے[1].

معنٰی (**غير مفترش**): یعنی اپنے بازوں کو زمین سے دور رکھتے تھے.

اور (**غير قابضهما**) کا معنٰی: یعنی بازوں کو اپنے دونوں طرفوں سے نہیں ملاتے تھے.

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے بازوں کی کیفیت نقل کرتے ہوئے فرمایا! کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تھے، تو اپنے دونوں ہاتھوں کو پیٹھ سے دور رکھتے تھے، حتیٰ کہ بغل کی سفیدی نظر آتی تھی، اور (**وضح ابطيه**) کا معنٰی ہے بغل کی سفیدی[2].

اس لئے ابن قدامہ رحمہ اللہ نے فرمایا! سنت یہ ہے کہ نمازی اپنے کہنیوں سے اوپر والے حصے کو دونوں طرفوں سے دور رکھے اور پیٹ کو رانوں سے دور رکھے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں اسی طرح کرتے تھے[3].

عنوان نمبر۱۱: دونوں بازوں کو سجدے کی حالت میں زیادہ کھولنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی اپنے دونوں بازوں میں زیادہ مبالغہ کرتے ہوئے اس طرح کھولتے ہیں، جس سے قریب ساتھی کو تکلیف ہوتی ہے.

وعظ اور نصیحت:

بازوں کو کھولنا اور دونوں طرفوں سے دور رکھنا سنت ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل ہے: امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے عبد اللہ بن بحينة سے نقل کرتے ہوئے فرمایا! کہ

---

(١) البخاري: ٨٢٨.

(٢) صحيح مسلم: ٤٩٧.

(٣) المغني ١/ ٣٠٦.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کی حالت میں بازوں کو دونوں طرفوں سے دور رکھتے تھے حتیٰ کہ بغل کی سفیدی نظر آتی تھی.

(**یجنح**) کا معنی: بازوں کو دونوں طرفوں سے الگ کرتے تھے.

جب نمازی امام ہو یا اکیلے نماز پڑھنے والا ہو، تو اُس کیلئے دونوں بازوں کھولنے میں مبالغہ کرنا چاہئے، اور اگر باجماعت نماز پڑھ رہا ہو، تو پھر ساتھی کا خیال رکھتے ہوئے بازوں کو زیادہ نہیں کھولنا چاہئے.

اگر یہ (بازوں کھولنا) دوسروں کیلئے تکلیف دہ بن گیا، تو یہ حرام ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اسلام میں نہ اپنے آپ کو ضرر دینا ہے، نہ دوسروں کو ضرر دینا ہے.

جب نمازی جائز مقدار میں بازوں کو کھولے گا، تو نہ کسی کو تکلیف ہوگی، اور سنت بھی اداء ہو جائیگی.

میں نمازی کو وصیت کرتا ہوں! کہ وہ دونوں بازوں کو زمین پر نہ رکھے اور صرف ہاتھوں کو (جبکہ انگلیاں ایک ساتھ ہو) زمین پر رکھے، اور اپنے پاؤں کو زمین سے نہ اٹھائیں اور پیشانی اور ناک کو سجدے کی حالت میں زمین پر رکھے اور یہ سجدے کا سنت طریقہ ہے.

اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! (مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پیشانی اور ناک کو اشارہ کیا، اس طرح دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں اور پاؤں کو).

اور ناک کی طرف اشارہ اس لئے کیا کہ یہ پیشانی کیساتھ سجدے میں زمین پر رکھا جائیگا.

عنوان نمبر ۱۲: پاؤں کو سجدے کی حالت میں زمین سے اٹھانا یا ایک دوسرے پر رکھنا:

عام صورتحال:

نمازی کبھی دونوں پاؤں یا ایک پاؤں کو نماز میں اٹھاتا ہے اور کبھی ایک کو دوسرے کے اوپر رکھتا ہے.

وعظ اور نصیحت:

سجدہ سات اعضاء سے ہوتا ہے، جسطرح حدیث میں مذکور ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! مجھے سات اعضاء سے سجدہ کرنے کا حکم کیا گیا ہے (رواہ البخاری).

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا! کہ اگر کسی عُضو میں خلل پیدا ہو گیا، تو نماز صحیح نہیں ہو گی.

اور کمال یہ ہے کہ پورے اعضاء کو سجدے میں استعمال کئے جائیں، اس لئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو اپنے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ کرتے تھے (رواہ البخاری: ۷۸۵) اس لئے کہ امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے جب یہ حدیث رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے نقل کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز کو اچھی طرح نہ پڑھنے والے کو) فرمایا! جب تم سجدہ کرتے ہو، تو اچھی طرح سکون سے سجدہ کرو[1].

اسی بناء پر اگر ایک پاؤں کو یا دونوں پاؤں کو اٹھایا تو نماز صحیح نہیں ہوگی، اور ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھنا بھی صحیح نہیں اس سے بھی نماز باطل ہوتی ہے، جب سجدہ باطل ہوگیا تو پوری نماز بھی باطل ہوگی.

تو لہٰذا دونوں پاؤں کو زمین پر رکھنا واجب ہے.

عنوان نمبر ۱۳: کرسی پر نماز پڑھنے والے کو اپنے دونوں ہاتھوں کو سجدے میں آگے کی طرف پھیلانا:

عام صورتحال:

بعض نمازی حضرات کرسی پر نماز پڑھتے ہوئے، اپنے دونوں ہاتھوں کو آگے کی طرف پھلاتے ہیں، اُن لوگوں کیساتھ مشابہت اختیار کرنے کیلئے جو سجدہ میں اپنے ہاتھوں کو زمین پر رکھتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

وہ نمازی جو کرسی پر بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھتا ہو، تو وہ رکوع اور سجدے میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا کریں، اور اپنے ہاتھوں کو آگے کی طرف فضاء میں نہ پھیلائے، اور جو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں، تو وہ رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھا کریں، اور سجدے میں زمین پر.

عنوان نمبر ۱۴: دیر سے آنے والے کا رکوع میں ہونا جبکہ امام رکوع سے اٹھ گیا ہو:

عام صورتحال:

کبھی مقتدی حضرات تاخیر سے آتے ہیں، اور امام کو رکوع میں پالیتے ہیں، پھر جب امام رکوع سے سر اٹھاتا ہے، تو وہ مقتدی رکوع سے اٹھنے میں دیر کرتا ہے.

---

(۱) موقع (الإسلام سؤال وجواب).

وعظ اور نصیحت:

جب یقینی طور سے مقتدی امام کیساتھ رکوع میں شریک ہوجائے تو رکوع ہو گئی، اور رکعت مکمل شمار ہو گی، جب یقینی نہ ہو کہ امام کیساتھ شریک ہوا ہے یا نہیں، تو رکوع شمار نہ ہو گی، اور نہ رکعت، تو اعادہ کرنا واجب ہے امام کے سلام پھیرنے کے بعد.

اس لئے کہ رکوع نماز میں ایک رکن ہے، جب رکن فوت ہو گئی تو رکعت شمار نہ ہو گی، اسلئے کہ یہ رکن امام کیساتھ اداء نہ ہوئی، حالانکہ امام کی اقتداء لازمی ہے.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! امام کو اقتداء کرنے کیلئے بنایا گیا ہے.

عنوان نمبر ۱۵: رکوع اور سجدے میں یکساں طور تسبیحات پڑھنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی حضرات اور ائمہ کرام تسبیحات کی شمار میں برابری نہیں کرتے، بلکہ رکوع میں کم تسبیحات پڑھتے ہیں، اور سجدے میں زیادہ، کبھی پہلے سجدے میں زیادہ دوسرے میں کم.

وعظ اور نصیحت:

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ رکوع اور سجدے میں تسبیحات پڑھنا سنت ہے، تو تسبیحات کا ادنی مرتبہ تین ہے، اسکے علاوہ طاق طریقے سے زیادت کرنا جائز ہے (جیسے کہ پانچ، سات وغیرہ) اور ایک مرتبہ بھی کافی ہے، لیکن سنت کا احترام کرنا یعنی (تین مرتبہ) افضل واحسن ہے، جب امام یا مقتدی حضرات کوئی عدد پسند کرلے تو سارے سجدوں اور رکوعات میں وہی تسبیحات پڑھنی چاہئے.

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب سے روایت کیا ہے: فرمایا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ، رکوع اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا (جلسہ) برابر ہوتا تھا[1].

اور یہ موقوف ہے تسبیحات میں برابری کرنے پر.

---

(۱) البخاري: ۸۰۱/ ۸۲۱.

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے (**قريبا من السواء**) قول کی تفسیر میں بعض علماء سے نقل کرتے ہوئے فرمایا! کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرات لمبی کرتے تھے، تو سارے ارکان لمبے کردیتے تھے، جب قرات میں تخفیف فرماتے تھے، تو سارے ارکان کو تخفیف سے اداء کرتے تھے[1].

یہ حدیث ارکان اور تسبیحات کے مساوات پر دلالت کرتی ہے، تو اس کی وجہ سے رکوع اور سجدے میں بھی مساوات ثابت ہوگی.

علامہ خرقی صاحب نے اسکی تشریح کرتے ہوئے فرمایا! کہ (**سبحان ربي العظيم**) کو تین دفعہ پڑھتے تھے، اگرچہ ایک دفعہ پڑھنا بھی جائز ہے، (ابن قدامہ رحمہ اللہ).

«ہمارے دلائل»: عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا! کہ جب (**فسبح باسم ربك العظيم**) آیت نازل ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! یہ اپنے رکوع میں پڑھ لیا کرو، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا! جب تم میں سے کوئی رکوع کرتا ہے تو (**سبحان ربي العظيم**) کم از کم تین مرتبہ پڑھے اور یہ ادنی مرتبہ ہے تسبیح کا، یہ دونوں حدیثیں امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ذکر کئے ہیں، حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے! کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا! کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کرتے تو (**سبحان ربي العظيم**) تین مرتبہ پڑھتے تھے، یہ علامہ اشرم نے نقل کیا ہے، اور امام ابو داؤد کی روایت میں (ثلاث مرات نہیں ہے) بلکہ ایک دفعہ پڑھنا بھی کافی ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں تسبیح کا حکم کیا ہے لیکن کوئی عدد کا تذکرہ نہیں فرمایا، تو یہ دلالت ہے اس بات پر کہ اس سے کم بھی جائز ہے، اور کم تین دفعہ پڑھنا ہے، اور یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کی وجہ سے کہ اس میں (**وذلك ادناه**) مذکور ہے.

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ میں فرمایا! کہ حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ پوری تسبیحات سات مرتبہ پڑھنا ضروری ہے، اور درمیانہ پانچ مرتبہ، اور ادنی تین مرتبہ.

---

(١) المغني لابن قدامه ٢/ ١٧٨ ــ ١٧٩.

اور قاضی صاحب نے فرمایا! کہ پوری تسبیحات مقتدیِ[1] منفرد کیلئے یہ ہے کہ وہ اس طریقے پر تسبیحات پڑھے کہ وہ غلط نہ ہو جائے، اور امام کو تسبیح پڑھنے کیلئے ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے کہ جس سے مقتدیوں کو تکلیف نہ ہو۔

عنوان نمبر۱۶: تشہد میں انگلی کو حرکت دینا:

عام صورتحال:

بعض نمازی امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کی رائی اور روایت پر عمل کرتے ہوئے تشہد میں شہادت والی انگلی کو (اوپر نیچے کی طرف) تیزی سے حرکت دیتے ہیں۔

وعظ اور نصیحت:

شہادت والی انگلی کو اوپر سے نیچے کی طرف تیزی سے حرکت دینا ثابت نہیں، بلکہ دائیں بائیں طرف حرکت دینا اور آہستہ طریقے سے دینا ثابت ہے۔

شیخ عبدالسمیع الآبی نے فرمایا! کہ چھوٹی انگلی اور اس کے برابر والی کو بند کرنا پھر بیچ کی انگلی کو انگوٹھے کے ساتھ ملا کر حلقہ بنانا، پھر (سبابہ) انگشتِ شہادت کی انگلی کو دائیں بائیں کی طرف حرکت دینا تشہد میں ثابت ہے[1]۔

خلاصۃ الفقہیۃ علی مذہب السادۃ المالکیہ ؒ میں آیا ہے:

کہ تین انگلیوں (چھوٹی انگلی اور اسکے برابر والی اور بیچ والی کو بند کرنا) اور انگشتِ شہادت اور انگوٹھے کو پھیلا کر چھوڑ دینا، پھر پوری تشہد میں انگشتِ شہادت سے دائیں بائیں طرف آہستہ طریقے سے اشارہ کرتے رہے، نہ کہ اوپر نیچے کی طرف[2]۔

---

(١) عبد السميع الآبي، الجواهر المضية لشرح الغاية لعلي المنوفي الشاذلي ص: ١٥٥، تحقيق: علي الهاشم: ٢٠٠٠، دار النصر ـ القاهرة /٢٠٠٠م.

(٢) الخلاصة الفقهية على مذهب السادة المالكية محمد السوس القروي ـ دار الفكر.

عنوان نمبر ١٧: نماز کے ارکان میں جلدی کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی سارے ارکانوں میں جلد بازی کرتے ہیں، جو اطمینان میں خلل پیدا کرتا ہے، اور بعض نمازی قیام، رکوع اور سجدے میں تو اطمینان سے کام لیتے ہیں، لیکن رکوع سے سجدہ جانے میں جلد بازی کرتے ہیں، اور اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان جلسے (بیٹھنے) میں بھی جلد بازی سے کام لیتے ہیں.

وعظ اور نصحت:

نماز اطمینان کے بغیر صحیح نہیں ہوتا، اور (طمانیت) کا معنٰی یہ ہے کہ نمازی ہر رکن میں (چاہے قیام ہو یا رکوع یا سجدہ) پوری طرح سکون اور اطمینان سے کام لے.

جب اطمینان نہ ہو تو نماز باطل ہو جاتی ہے، اور یہ اطمینان تخفیف الصلاۃ (نماز کو مختصر کرنے) کے منافی نہیں، اس لئے کہ تخفیف الصلاۃ کا معنٰی ہے: کہ پورے ارکان کیساتھ بغیر کسی تطویل کے نماز اداء کرنا.

﴿روى البخاري عن أبي هريرة رضي الله عنه (أن النبي صلى الله عليه وسلم دخل المسجد، فدخل رجل فصلى، ثم جاء فسلم على النبي صلى الله عليه وسلم، فرد النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: ارجع فصل **فإنك** لم تصل، فصلى ثم جاء فسلم على النبي صلى الله عليه وسلم فقال: ارجع فصل، **فإنك** لم تصل ثلاثا، فقال والذي بعثك بالحق، فما أحسن غيره، فعلمني، قال: إذا قمت إلى الصلاة فكبر، ثم اقرأ ما تيسر معك في القرآن، ثم اركع حتى تطمئن راكعا، ثم ارفع حتى تعتدل قائما، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتى تطمئن جالسا، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا، ثم افعل ذلك في صلاتك كلها)﴾[١].

---

(١) البخاري: ٧٩٣.

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے! کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اس کے بعد ایک شخص آیا، اس نے نماز پڑھی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا! کہ واپس جاؤ اور پھر نماز پڑھ، کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی، وہ شخص واپس گیا اور پہلے کی طرح نماز پڑھی اور پھر آکر سلام کیا، لیکن آپ نے اس مرتبہ بھی یہی فرمایا! کہ واپس جا اور دوبارہ نماز پڑھ، کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی، آپ نے اس طرح تین مرتبہ کیا، آخر اس شخص نے کہا کہ اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میں اس کے علاوہ اور کوئی اچھا طریقہ نہیں جانتا، اس لئے آپ مجھے نماز سکھا دیجئے، آپ نے فرمایا! کہ جب نماز کے لئے کھڑا ہو تو پہلے تکبیر تحریمہ کہہ، پھر آسانی کے ساتھ جتنا قرآن تجھ کو یاد ہو اس کی تلاوت کر، اس کے بعد رکوع کر اچھی طرح سے رکوع ہو لے تو پھر سر اٹھا کر پوری طرح کھڑا ہو جا، اس کے بعد سجدہ کر پورے اطمینان کے ساتھ، پھر سر اٹھا اور اچھی طرح بیٹھ جا، اسی طرح اپنی تمام نماز پوری کر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! (**فانك لم تصل**) کہ آپ نے جو نماز پڑھی وہ صحیح نہیں، بلکہ باطل ہے، اور آپ کی نماز اس لئے نہیں ہوئی کہ آپ نے نماز میں اطمینان و اعتدالِ ارکان نہیں کیا۔

تو (اے نمازی بھائی) اطمینان اختیار نہ کرنا ایک بہت خطرناک کام ہے، جب یہ آپ نے اختیار نہیں کیا، تو آپ کی نماز باطل ہوگی وہ اس طرح کہ گویا آپ نے بالکل نماز پڑھی ہی نہیں، جیسے کہ آپ نے حدیث میں دیکھا، تو میں بہت سختی سے مؤکد نصیحت کرنا چاہتا ہوں نمازیوں کو کہ وہ تمام ارکان میں اطمینان اور اعتدال کا بہت خیال رکھے، یا جہاں جہاں پر اطمینان نہیں کرتے تو وہاں اطمینان کا خیال رکھا کریں اور اپنے آپ کو اطمینان کا عادی بنائیں۔

عنوان نمبر ۱۸: نماز میں غلط قرات کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی سورتِ فاتحہ میں یا فاتحہ کے بعد قرات میں غلطی کرتے ہیں، جیسا کہ (مستقیم) کی جگہ مستغیم کہتے ہیں، یعنی (قاف کی جگہ غین)۔

اور بعض نمازی (انعمتَ) کے تاء کو زیر یا پیش کیساتھ پڑھتے ہیں تو پھر انعمتُ یا انعمتِ پڑھتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

سورتِ فاتحہ میں غلطی کرنے سے (اگر تصحیح نہ ہوگی) نماز باطل ہوتی ہے، اس لئے کہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، اسکے بغیر نماز نہیں ہوتی، ہاں فاتحہ کے بعد قرات میں غلطی کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی اس لئے کہ وہ سنت ہے واجب نہیں[1].

وہ امام جسکی قرات صحیح نہ ہو اسکو امام نہیں بنانا چاہیئے.

عنوان نمبر۱۹: عورت کو باریک کپڑوں میں نماز پڑھنا جس سے بال یا اور کوئی عضو نظر آتا ہو اور انکے پاؤں کا نماز میں برہنہ ہونا:

عام صورتحال:

کبھی عورت ایسی باریک دوپٹہ پہنتی ہے جس کی وجہ سے بال یا کوئی عضو نظر آتا ہے اور بسا اوقات کپڑا موٹا ہوتا ہے، لیکن بال آگے کی طرف سے یا دونوں جانب سے نظر آتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

آزاد عورت کو نماز میں پورا بدن ڈھانپنا لازمی ہے، مگر چہرہ اور ہاتھ کو نہیں ڈھانپنا چاہیئے، اور کپڑا ایسا ہونا ضروری ہے جس میں نہ بال اور نہ کوئی عضو نظر آتا ہو.

ہلکے کپڑوں میں عورت کی نماز بالکل صحیح نہیں، اسی طرح اگر کپڑہ موٹا ہو، لیکن آگے سے یا دونوں طرفوں سے برہنہ ہو تو پھر بھی نماز صحیح نہیں، یہ حکم مردوں کو بھی شامل ہے، جب وہ ایسے کپڑے پہنے جس میں اسکا بدن نظر آتا ہو.

(مرد کا ستر ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہے).

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا! اگر ایسی قمیص میں نماز اداء کی جس سے بدن نظر آتا ہو، تو اسکی نماز جائز نہیں[2].

---

(۱) موقع الإسلام سؤال وجواب.

(۲) الأم للشافعي: ۱/ ۱۱۱.

امام نووی رحمہ اللہ نے شرح المہذب میں فرمایا! کہ کپڑا ایسا ہونا چاہیئے کہ وہ حائل بن جائے دیکھنے والے اور پہننے والے کے چمڑے کے درمیان تو وہ کپڑا جس سے چمڑے کی سفیدی یا کالا پن نظر آتا ہو تو وہ کپڑا کافی نہیں[١].

تو آزاد عورت کیلئے نماز میں چہرے اور ہاتھوں کے سوا کل بدن ڈھانپنا واجب ہے، اور پاؤں کو ڈھانپنے میں علماء کا اختلاف ہے، جمہور فقہاء پاؤں کو ڈھانپنے کے قائل ہیں، لیکن احناف میں سے امام ابو یوسف اور شوافع میں سے علامہ مزنی نے اسکو نماز میں برہنہ ہونے کی اجازت دی ہے، (یعنی اسکو جائز ٹھرایا ہیں).

اور نماز سے باہر چہرہ اور دونوں ہاتھ بھی عورت کے حکم میں ہے (یعنی اسکو ڈھانپنا واجب ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فرمان کی وجہ سے! کہ اللہ تعالی حائض عورت کی نماز بغیر دوپٹے کے قبول نہیں فرماتے[٢].

اور حائضہ سے مراد بالغہ عورت ہے، اور خمار سے مراد حجاب ہے، اور اسکو حجاب اس لئے کہا جاتا ہے، کہ بدن کو دیکھنے سے یہ مانع بن جاتا ہے، جب حجاب باریک ہو جس میں بدن نظر آتا ہو، تو اس میں نماز پڑھنا صحیح نہیں، اگر باریک کپڑے میں (جس میں بال نظر آتے ہو) نماز اداء کی، تو نماز کا اعادہ واجب ہے، اور یہ حدیث (**لا يقبل الله صلاة حائض**) نماز باطل ہونے پر واضح دلیل ہے.

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے فرمایا! وہ کپڑا پہننا لازمی ہے جس سے چمڑے کا رنگ ڈھانپا جائے (یعنی چمڑے کی سفیدی نظر نہ آئے)[٣].

عنوان نمبر ٢٠: رکوع اور سجدہ کرتے وقت پیچھے سے بدن کا کچھ حصہ ظاہر ہونا:

عام صورتحال:

بعض نمازی مرد تنگ پتلون پہن کر جب رکوع یا سجدے میں جاتے ہیں، تو پیچھے سے انکی عورت نظر آتی ہے، اور پتلون کے اوپر کوئی کپڑا یا قمیص وغیرہ بھی نہیں ہوتا جو بدن کو ڈھانپے.

---

(١) شرح المهذب: ٣/ ١٧٠.
(٢) اخرجه أبو داؤد والترمذي وابن ماجه وأحمد واللفظ له.
(٣) المغني: ١/ ٦٥١.

اور کبھی عورت کے بدن سے بھی نماز میں کوئی حصہ برہنہ ہو جاتا ہے، چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ.

وعظ اور نصیحت:

مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے، اور آزاد عورت کا سارا بدن سوائے چہرے اور ہتھیلی کے ستر میں داخل ہے.

نماز کی صحیح ہونے کیلئے مرد اور عورت دونوں پر سترِ عورت واجب ہے، نمازی کا ستر سے کوئی حصہ برہنہ ہونے کی صورت میں نماز صحیح نہیں ہوگی، ہاں اگر جلدی سے ڈھانپ لیا تو نماز صحیح ہوگی، جلدی سے نہ ڈھانپنے کی صورت میں حتیٰ کہ اسی میں نماز کی ایک رکن اداء کی، تو نماز کی صحیح ہونے یا نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے، شوافع کے نزدیک نماز باطل ہے، خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، اکیلا ہو یا جماعت میں، مرد ہو یا عورت، فرض ہو یا نفل.

اگر یہ گمان کرکے کہ میں نے ستر کو ڈھانپے ہوئے نماز اداء کی ہے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ برہنہ تھا، تو بناء بر مسلکِ شوافع نماز کا اعادہ واجب ہے، [1] اس میں فقہاء کرام کے اور آراء بھی ہیں امام نووی رحمہ اللہ نے بعض کو ذکر کیا ہے.

اولاً یہ نصیحت ہے نمازی حضرات کو کہ زیادہ انکشافِ عورت کی صورت میں نماز کا اعادہ کریں، اور ثانیاً یہ کہ نماز میں پتلون نہ پہنے، اگر پہن لیا تو پھر اس کے اوپر کوئی کپڑا وغیرہ پہننا ضروری ہے، جس سے انسان کی عورت نظر نہ آئے.

عنوان نمبر ۲۱: نمازی کا نماز کے دوران دوسرے نمازی کی شرمگاہ کو ڈھانپ لینا:

عام صورتحال:

کبھی ایک نمازی کا دورانِ نماز بدن کا کچھ حصہ برہنہ ہوتا ہے، اور پیچھے والا نمازی نماز میں حرکت کرکے اس کی عورت کو ڈھانپ لیتا ہے، اور یہی معاملہ کبھی عورتوں کیساتھ بھی ہوتا ہے بالکل اسی طرح.

---

(۱) شرح المهذب يحيى بن شرف النووي ٣۔ ١٧٢. تحقيق محمد نجيب المصطفى ۔ مكتبة الإرشاد/جدة ۔ السعودية.

وعظ اور نصیحت:

پیچھے والے نمازی کو آگے والے نمازی کو ڈھانپنا واجب ہے، اگر چہ نماز میں چلنا یا حرکت کرنا بھی لازم آجائے، اس لئے کہ وہ صحتِ نماز کے ارادے سے یہ حرکت کرتا ہے، لیکن جتنا حرکت کم ہو تو اچھا ہے.

میں نے پہلے بیان کیا ہے، کہ الگ الگ رکن میں حرکت کرنا نماز کیلئے مبطل نہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرورت کے وقت تھوڑی حرکت کرنا ثابت ہے، جیسا کہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امامہ بنت زینب کو نماز میں اٹھاتے تھے وغیرہ (حدیث پہلے گزر چکی ہے) یہ اس لئے کہ اسکی ماں کسی کام میں مشغول تھی. اسی طرح منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نماز کی حالت میں دروازہ کھولا تھا.

وہ حرکات جو نماز کیلئے مبطل ہے وہ یہ کہ زیادہ ہو اور بے ضرورت بھی ہو.

عنوان نمبر ۲۲: امام سے ارکان کی ادائیگی میں سبقت یا تاخیر یا مقارنت کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی نماز کے ارکان میں امام سے بہت تاخیر کرتے ہیں، اور یہ اس طرح کہ کبھی امام دوسری رکن میں پہنچ چکا ہوتا ہے اور مقتدی ابھی پہلی رکن ہی میں مشغول ہوتا ہے، جیسے: امام رکوع سے اٹھ کر سجدہ جانے لگتا ہے اور مقتدی ابھی تک رکوع میں ہی ہوتا ہے. اور سلام پھیرنے میں بعض مقتدی امام سے زیادہ تاخیر کرتے ہیں نماز کو پوری کرنے کیلئے، (یعنی آخری قعدہ میں تشہد پورا کرنے کی غرض سے تاخیر کرتے ہیں) یعنی جب ارکان میں تاخیر ہو تو یہ مؤدی ہوگی سلام میں تاخیر کرنے کو، اور بہت سے مقتدی امام کیساتھ ساتھ ارکان اداء کرتے ہیں، اور بعض نمازی امام سے سبقت کرتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

مقتدی کو نہ امام کیساتھ اور نہ امام سے پہلے ارکان اداء کرنے چاہئے، بلکہ انتظار کرکے امام کے بعد ارکان اداء کرنے چاہئے.

اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! (امام کو اقتداء کرنے کیلئے بنایا گیا ہے، جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو جب وہ سجدے میں جائے تو آپ سجدے میں جاؤ جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو آپ بھی بیٹھ جاؤ)[1].

اگر مقتدی کی تاخیر تھوڑی سی ہو، جس میں وہ امام کیساتھ رکن میں شامل ہوسکتا ہو تو اسکی نماز صحیح ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ تاخیر اور مقارنت نہ کرے، اور اگر تاخیر زیادہ ہو، جس کی وجہ سے رکن فوت ہونے کا خطرہ ہو (جیسے کہ رکوع میں زیادہ وقت لگانا وغیرہ وغیرہ) تو پھر نماز باطل ہے جبکہ وہ تاخیر کوئی عذر کی وجہ سے نہ ہو.

ابن عثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا! مقتدی کا امام سے تاخیر کرنا، (چاہے رکوع میں ہو یا غیر رکوع میں) نماز کو باطل کر دیتا ہے[2].

بعض علماء فرماتے ہیں! کہ جب دو رکن مقتدی سے فوت ہو جائیں، تو نماز باطل ہوگی، مثال کے طور پر امام نے رکوع کرکے پہلا سجدہ بھی اداء کرلیا اور مقتدی ابھی تک قیام میں ہے.

اسی طرح مقتدی ارکان میں امام کیساتھ مقارن بھی نہ ہو، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (**إذا ركع فاركعوا**) کہا ہے، فاء یہاں ترتیب کیلئے ہے، (یعنی مقتدی کی رکوع کو امام کی رکوع پر مرتب کیا ہے) اور اقتران کی صورت میں ترتیب فوت ہو جاتی ہے، تو لہٰذا تمام ارکان میں تاخیر اور اقتران سے بچنا چاہئے.

عنوان نمبر ۲۳: امام کو قرات میں فتح دینا:

عام صورتحال:

جب امام سے نماز میں غلطی ہو جائے تو مقتدی حضرات جلدی سے فتح دیتے ہیں، امام کو فکر وسوچ کیلئے نہیں چھوڑتیں.

---

(۱) البخاري: ٦٨٨.

(۲) موقع الإسلام سؤال وجواب.

وعظ اور نصیحت:

جمہور فقہاء کے نزدیک فتح دینا مشروع ہے۔

ابوداؤد میں مسور بن یزید المالکی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں! کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز میں حاضر ہوا تو کچھ آیات وغیرہ بھول گیا تو نماز مکمل ہونے کے بعد ایک شخص نے کہا یارسول اللہ تو نے فلاں فلاں آیت چھوڑی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تم نے مجھ کو نماز میں فتح کیوں نہیں دیا۔ (ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز میں اشتباہ ہوا جب نماز سے فارغ ہوئے، تو ابی بن کعب کو بولا! کیا تم ہمارے ساتھ نماز میں شریک تھے، اس نے فرمایا! جی ہاں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تو نے مجھے فتح کیوں نہیں دیا، کیا مانع تھا فتح دینے سے۔ (صحیح ابن حبان)۔

لیکن جلدی سے فتح دینا یا پورے نمازیوں کا فتح دینا مناسب نہیں۔

فتح دینے کے صحیح طریقے:

(۱) لازمی ہے کہ امام کے پیچھے قریب والا حافظ اور عالم ہو دو وجوں سے:

(۱) تاکہ صرف وہی عالم یا حافظ فتح دے۔

(۲) جب امام کو کوئی عذر پیش آجائے، جسکی وجہ سے امام باہر جانا چاہے، تو وہ عالم یا حافظ فوراً آگے ہو کر نماز کو پوری کرے۔ تو فتح دینے کیلئے مناسب شخص وہ ہے جو امام کے پیچھے کھڑا ہو۔

(۲) اگر ایسا نہ ہو جو فقرہ **(۱)** میں ذکر ہوا تو نمازیوں میں جو چاہے فتح دے سکتا ہے، لیکن جلد بازی نہ کریں، پہلے امام کو چھوڑ کر کہ وہ خود اپنا علاج کرکے (یعنی یاد کرکے اپنی تصحیح کرلے) لیکن اگر وہ تصحیح کرنے سے عاجز ہو جائے تو پھر فتح دے دینا۔

(۳) اور پورے نمازیوں کا ایک ساتھ فتح دینا امام کو تشویش میں ڈالتا ہے، جو کسی ایک کی بھی فتح نہیں سمجھ سکے گا، بلکہ اور زیادہ غلطی کا شکار ہو جائے گا۔

(۴) فتح بھی طبعی آہستہ طریقے سے دینا چاہیئے، جس طرح قاری تلاوت کرتا ہے.

(۵) امام کو قرات کے دوران فتح نہ دیں، بلکہ جب وہ رک جائے تو فتح دینا چاہیئے[۱].

اگر قراتِ مطلوبہ پڑھ چکا ہو، تو پھر بھی فتح کی ضرورت نہیں.

(٦) اگر امام کی غلطی کرنے سے معنٰی میں تغیر آجائے تو فتح لازمی ہے، اگر معنوی تغییر نہ ہو، تو پھر فتح ضروری نہیں[۲].

عنوان نمبر ۲۴: دوسری جماعت پڑھنے میں آواز زیادہ اونچی کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی دوسری جماعت میں ضرورت سے زیادہ آواز کو بلند کرتے ہیں، جسکی وجہ سے مسبوق حضرات کو یا سنت پڑھنے والوں کو تکلیف ملتا ہے.

وعظ اور نصیحت:

کسی طرح بھی نمازی کو تشویش میں ڈالنا صحیح نہیں.

﴿عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: اعتكف رسول الله صلى الله عليه وسلم في المسجد فسمعهم يجهرون بالقراءة، فكشف الستر وقال: ألا إن كلكم مناج ربه فلا يؤذي بعضكم بعضا، ولا يرفع بعضكم على بعض في القراءة أو قال: في الصلاة﴾[۳].

ترجمہ: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اعتکاف فرمایا، آپ نے لوگوں کو بلند آواز سے قرآت کرتے سنا تو پردہ ہٹایا اور فرمایا! لوگو! سنو، تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے سر گوشی کرتا ہے، تو کوئی کسی کو ایذاء نہ پہنچائے اور نہ قرآت میں (یا کہا نماز) میں اپنی آواز کو دوسرے کی آواز سے بلند نہ کرے.

---

(١) موقع المسلم. د: عبد المجيد المنصور.

(٢) موقع الأمة الوسط الشيخ الأستاذ الدكتور عبد الملك السعدي.

(٣) رواه أبو داؤد ١٣٣٢.

(طبرانی اوسط) میں ہے کہ بیشک نمازی اپنے رب کیساتھ ہم کلامی کرتا ہے تو اسکو سوچنا چاہئے کہ وہ کس کیساتھ ہم کلام ہے؟ اور بعض تم میں سے بعضوں پر تلاوت کے وقت آواز بھی بلند نہ کریں.

تو چاہئے کہ جو دوسری جماعت اداء کرتے ہیں کہ وہ نمازیوں سے دور رہے یا اپنی آواز کو اندازے میں رکھے کہ نہ زیادہ آہستہ ہو اور نہ زیادہ بلند.

عنوان نمبر ۲۵: مسبوق کے پیچھے اقتداء کرنا یا سنت پڑھنے والے کی اقتداء کرنا:

عام صورتحال:

بعض اوقات نمازی مسجد میں داخل ہوتا ہے، حالانکہ جماعت کی نماز مکمل ہوچکی ہوتی ہے تو وہ اکیلے نماز پڑھتا ہے، حالانکہ وہاں مسبوق بھی موجود ہوتا ہے (یعنی پہلی جماعت میں دیر سے آنے والا شخص جسکو ابھی ایک یا دو رکعت باقی ہے) اور سنت پڑھنے والے بھی موجود ہوتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

اس نمازی کو جماعت کا اجر حاصل کرنے کیلئے اس درج ذیل باتوں پر عمل کرنا چاہئے:

(۱) اگر اس کو امید ہے کہ کوئی نمازی حضرات آئیں گے، تو اس کو چاہئے کہ تھوڑا انتظار کرکے با جماعت نماز اداء کرلے.

(۲) جب وہ کسی کے آنے سے ناامید ہوجائے تو اس کیلئے مسبوق کی اقتداء کرنا صحیح ہے، پھر اس مسبوق کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز پوری کرلے.

(۳) جب مسبوق نہ ہو تو سنت پڑھنے والے کی اقتداء کرے تاکہ جماعت کا اجر انکو حاصل ہوجائے.

مسبوق کی اقتداء کرنا اس لئے صحیح ہے کہ اس میں فرض پڑھنے والے کی اقتداء فرض پڑھنے والے کے پیچھے ہے، اور سنت پڑھنے والے کی اقتداء اس لے صحیح ہے کہ راجح قول کی بناء پر فرض پڑھنے والے کی اقتداء نفل پڑھنے والے کے پیچھے صحیح ہے، جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ کر پھر اپنی قوم کی امامت کرتے تھے، حالانکہ معاذ رضی اللہ عنہ کی نماز نفل ہوتی تھی، اور لوگوں کی نماز فرض.

﴿عن شعبة بن عمرو قال سمعت جابر بن عبد الله قال: كان معاذ بن جبل يصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم ثم يرجع فيؤم قومه، فصلى العشاء، فقرأ بالبقرة فانصرف الرجل، فكأن معاذا تناول منه، فبلغ النبي صلى الله عليه وسلم فقال: فتان، فتان فتان ثلاث مرات، أو قال فاتنا فاتنا فاتنا، وأمره بسورتين من أوسط المفصل، قال عمرو لا احفظهما﴾[1].

ترجمہ: شعبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہے کہ میں نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے سنا، آپ نے فرمایا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (فرض) نماز پڑھتے پھر واپس جاکر اپنی قوم کے لوگوں کو (وہی) نماز پڑھایا کرتے تھے، ایک بار عشاء میں انہوں نے سورۃ البقرۃ شروع کی، (مقتدیوں میں سے) ایک شخص نماز توڑ کر چل دیا، معاذ رضی اللہ عنہ اس کو برا کہنے لگے، یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی (اس شخص نے جاکر معاذ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو فرمایا تو بلا میں ڈالنے والا ہے، بلا میں ڈالنے والا، بلا میں ڈالنے والا ہے تین بار فرمایا! یا یوں فرمایا کہ تو فسادی ہے، فسادی، فسادی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ مفصل کے بیچ کی دو سورتیں پڑھا کریں، عمرو بن دینار نے کہا کے مجھے یاد نہ رہیں (کہ کون سی سورتوں کا آپ نے نام لیا).

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ کی نماز نفل اور قوم کی نماز فرض تھی، لیکن اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رد نہیں کیا، بلکہ صرف نماز کو لمبا کرنے پر رد فرمایا.

---

(١) رواه البخاري ومسلم وأبو داؤد وابن حبان وابن خزيمة.

عنوان نمبر۲۶: نمازِ تراویح کی رکعتوں کی تعداد:

عام صورتحال:

بعض نمازیوں نے سمجھا ہے! کہ تراویح کی تعداد آٹھ ہیں، اور اسی طرح بعض نے آٹھ پر زیادت کو بدعت سمجھا ہیں، یہ فہم اُن لوگوں کو اُن علماء سے ہوئی، جو آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں، یہ علماء کرام امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت سے (جو ابو سلمۃ بن عبدالرحمٰن سے نقل ہے) استدلال کرتے ہیں کہ اس نے خبر دیا...

کہ اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت رمضان میں کیا ہوتی تھی، تو اس نے کہا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان دونوں میں گیارہ رکعت پر زیادت نہیں کرتے تھے[1].

اور تحقیق سے تجھے معلوم ہوا کہ بعض ذمہ داران وقف اداروں میں آئمہ حضرات پر آٹھ رکعات تراویح لازم کرتے ہیں، اس پر زیادت سے منع کرتے ہیں.

اور انکے مقابل میں بعض حضرات سرے سے آٹھ اور بیس رکعات پر امر ہی نہیں کرتے.

وعظ اور نصیحت:

اس مسئلے کے بارے میں صرف دوسرے عصر کے علماء کرام کے تصریحات پر اکتفاء کرتا ہوں، اس لئے میں نے ان دونوں (سلف فقہاء کرام، مجتہدین) کے مسلک کو نقل کیا ہے، اور خلاصہ یہ کہ تراویح کو آٹھ یا بیس رکعات میں منحصر کرنا یہ تنگی ہے، حالانکہ اسمیں وسعت ہے تنگی نہیں.

ان میں سے پہلا استاذ دکتور عبدالملک السعدی ہے! وہ فرماتے ہے کہ رکعاتِ تراویح کے بارے میں روایات مختلف ہیں، اس لئے ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہے! کہ رمضان میں تراویح کی کوئی خاص عدد معین کرنا صحیح نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص عدد نقل نہیں ہے.

---

(۱) البخاري: ۱۱۴۷.

لیکن جمہور علماء کرام کے نزدیک تراویح بیس رکعات ہیں یہ احناف، شوافع اور بنابر قول راجح امام احمد رحمہ اللہ اور امام ثوری، داؤد کا مذہب ہے.

یہ علماء کرام مندرجہ ذیل روایات سے استدلال کرتے ہیں:

(ا) امام بیہقی رحمہ اللہ نے صحیح سند کیساتھ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اس نے فرمایا! کہ صحابہ کرام، حضرت عمرو بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعات تراویح پڑھتے تھیں، اور اسمیں (دوسو) آیات پڑھتے تھیں، اس حدیث کی تصحیح حافظ عراقی اور سبکی دونوں نے کی ہیں.

(۲) ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں عبد الرزاق سے اس نے محمد بن یوسف سے نقل کیا ہے! کہ تراویح (اکیس) رکعات ہیں (یہ حدیث سندا صحیح ہے).

بعض نے اس حدیث کو عبد الرزاق (صاحب المصنف) کی وجہ سے معلل کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (ہدیۃ الساری) میں انکا توثیق کرتے ہوئے فرمایا! (**احد الائمۃ الاثبات و ثقہ الائمۃ**) جید علماء میں سے ایک عالم ہے اور علماء اس پر اعتماد کرتے ہیں.

(۳) سلف صحابہ کرام اور تابعین سے آٹھ رکعتوں پر زیادت منقول ہے، اگر یہ خلاف سنت ہوتا تو پھر کیوں وہ زیادت کرتے.

(۴) اور بعض روایات (وقت کی کمی کی وجہ سے اور کتاب طویل ہونے کی وجہ سے) ہم ذکر نہیں کرتے، حالانکہ بیس سے زیادہ رکعات بھی منقول ہیں.

وہ روایات یہ ہیں: 46، 41، 39، 36، 34، 24.

اور بعض روایات میں: 16، 12، بھی منقول ہے[1].

دوسرا شیخ محمد صالح المنجد ہے، مسئلہ تراویح کے بارے میں جب انٹرنیٹ کے ذریعہ ان سے پوچھا گیا (موقع الاسلام سؤال وجواب علی شبکۃ المعلومات العالمیۃ).

---

(۱) عبد الملك السعدي، البدعة ومفهومها الإسلامي الدقيق، ۱۷۱، ۱۷۳، ط۷، ۲۰۱۴م، دار النور المبين، عمان الأردن.

سوٴال:

میں نے تراویح کے بارے میں پہلے بھی سوٴال کیا تھا، لیکن ابھی میں پھر سوٴال کرکے ایسا جواب چاہتا ہوں، جسمیں ہمارا فائدہ ہو اس لئے کہ مجھے تسلی بخش جواب نہیں مل رہا، کہ کیا تراویح گیارہ رکعات ہیں یا بیس؟

کیونکہ احادیث کے رو سے گیارہ رکعات معلوم ہوتے ہیں، اور امام البانی رحمہ اللہ بھی گیارہ رکعات کے قائل ہے، کچھ لوگ گیارہ رکعات والی مسجد جاتے ہیں، اور کچھ بیس رکعات والی، اور یہ مسئلہ یہاں ولایاتِ متحدہ میں ایک حساس اور فتنہ باز مسئلہ بن چکا ہے، گیارہ رکعات والے بیس رکعات والوں کو برا بھلا کہتے ہیں، اور بیس رکعات والے گیارہ رکعات والوں کو برا بھلا کہتے ہیں، اور مسجد حرام مسجد نبوی میں بھی بیس رکعات پڑھیں جاتے ہیں، تو ان دونوں مسجدوں میں کیوں سنت کے خلاف کام ہوتا ہے؟

الجواب:

الحمد للہ!

مسئلہ اجتہادیہ میں اتنا اختلاف کرکے کہ وہ فتنہ بن جائے مسلمانوں کا شان نہیں۔

ابن **عثیمین** نے فرمایا کہ! اُس شخص کے بارے میں (جو دس رکعت پڑھ کر پھر وتر کی انتظار میں بیٹھا رہتا ہے اور تراویح مکمل نہیں کرتا) مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اجتہادی مسائل کو دلوں کی اختلاف کا ذریعہ بنایا ہوا ہے، یہ اختلاف صحابہ کرام کے زمانے میں بھی تھا، لیکن دِلی اتفاق ہوتا تھا، اور مسائل اختلافیہ اپنی جگہ پر ہوتے تھیں، تو نوجوانوں کیلئے یکجہتی کا اظہار کرنا لازمی ہے، اس لئے کہ مسلمانوں کے دشمن بہت ہے، جو ان پر مصائب کے انتظار کرتے ہیں۔ (الشرح الممتع (۴/ ۲۲۵))۔

اس مسئلے کے بارے میں دو طبقوں نے بہت غلو کیا ہیں، پہلے طبقے والے نے تو گیارہ رکعات سے زیادت کا انکار کیا ہیں، اور زیادت کو بدعت کی نسبت کی ہے، دوسرے طبقے والے نے گیارہ پر اقتصار کرنے والوں کو مخالفینِ اجماع میں سے شمار کئے ہیں۔

شیخ ابن **عثیمین** رحمہ اللہ نے اسمیں بہترین توجیہ بیان کی ہے۔

ہمیں نہ افراط چاہئے اور نہ تفریط، بعض حضرات بہت افراط کرکے گیارہ عدد کو فقط سنت کہتے ہیں، اور اس پر زیادت کرنے والوں کو گنہگار سمجھتے ہیں.

یقیناً یہ بہت بڑی غلطی ہے، وہ کس طرح گنہگار ہوگا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا: تو فرمایا! دو دو رکعت، اور کوئی حد معین نہیں کی، یہ تو معلوم ہے کہ سائل کو معین عدد معلوم نہیں تھا، اسلئے سؤال کیا، کیونکہ جس کو کیفیت معلوم نہ ہو، تو عدد تو بطریقہ اولی معلوم نہ ہوگا، حالانکہ یہ خادمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بھی نہیں تھے کہ ہم یہ کہے کہ انکو گھر کی اندرونی حالات معلوم نہ تھے.

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقہ سکھایا، اور کیفیت کے بارے میں کچھ نہ کہا تو معلوم ہوا کہ اسمیں بہت گنجائش ہے، تو لہٰذا کوئی بھی شخص سو رکعات کا مجاز ہے پھر آخر میں ایک رکعت وتر پڑھے.

اور (**صلوا كما رأيتموني أصلي**) سے استدلال کرکے یہ کہنا کہ یہ حدیث عام ہے، کیونکہ پھر تو پانچ رکعت وتر اور کبھی سات رکعت اور کبھی نو رکعت وتر پڑھنی چاہئے، حالانکہ مخالف طبقہ اسکے قائل نہیں.

تو معلوم ہوا کہ اس سے عددِ تراویح پر استدلال کرنا صحیح نہیں.

ہاں جہاں کوئی حد معین ہو تو وہ اور بات ہے.

اور ایک وسیع امر میں لوگوں پر زیادہ تشدد کرنا یہ صحیح نہیں ہے، جو حضرات گیارہ سے زیادہ رکعت پڑھنے والوں کو بدعت کی نسبت کرتے ہیں، اور مسجد سے نکل جاتے ہیں، تو یہ حضرات اس اجر سے محروم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جو شخص امام کیساتھ کھڑے ہو کر حتی کہ امام صاحب نماز پوری کرکے لوٹ جائے تو ان کیلئے پوری رات کا اجر لکھ دیا جاتا ہے. (رواہ الترمذی (٨٠٦) وصححہ الالبانی فی صحیح الترمذی (٦٤٦)).

اور کبھی لوگ دس رکعت کے بعد بیٹھ کر وتر کے انتظار کرتے ہیں، اور کبھی باتیں کرکے دوسرے نمازیوں کو تشویش ہیں ڈالتے ہیں.

ہمیں کوئی شک نہیں کہ فقہاء ہمارے مخیّر حضرات ہیں، اور مجتہدین بھی ہے لیکن ہر مجتہد اپنی رائی میں مصیب نہیں ہوتا (یعنی مجتہد کبھی صحیح بات کرتا ہے اور کبھی خطا).

دوسری طرف گیارہ رکعات پر اقتصار کرنے والوں پر زیادہ نکیر کرکے ان کو مخالفینِ اجماع کہنا ہیں، اور **(ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا)**، آیت سے استدلال کرنا، یہ بھی زیادہ تشدد ہے، (الشرح الممتع ۴/ ۷۳_ ۷۵).

آٹھ تراویح سے زیادہ کے عدمِ جواز پر استدلال:

ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے خبر دی کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے انہوں نے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں (رات کو) کتنی رکعتیں پڑھتے تھے، آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رات میں) گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، خواہ رمضان کا مہینہ ہوتا یا کوئی اور، پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت پڑھتے، ان کی خوبی اور لمبائی کا کیا پوچھنا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت اور پڑھتے ان کی خوبی اور لمبائی کا کیا پوچھنا، پھر تین رکعتیں پڑھتے، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا! کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ وتر پڑھنے سے پہلے ہی سو جاتے ہیں؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا. (رواہ البخاری (۹۴۶) ومسلم (۷۴۹)).

یہ حضرات فرماتے ہیں! کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان اور غیر رمضان دونوں میں آٹھ رکعت کی مداومت منقول ہے.

بعض علماء کرام نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا ہیں، کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل منقول ہے اور فعلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، واضح دلیل اس بات پر (کہ رات کی نماز جسمیں تراویح بھی داخل ہے) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے (کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رات میں نماز کے متعلق معلوم کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے، پھر جب کوئی صبح ہو جانے سے ڈرے تو ایک پڑھ لے، (رواہ البخاری (۹۴۶) ومسلم (۷۴۹)).

معتبر مذہب کے علماء کرام کے اقوال کو پیش نظر رکھتے ہوئے تمہیں یہ واضح ہو جائے گا کہ اس مسئلے میں بہت گنجائش ہے، اور گیارہ رکعت پر زیادت کرنے میں کوئی حرج نہیں.

امام سرخسی رحمہ اللہ نے فرمایا! (جو کہ مذہباً حنفی ہے) کہ (ہمارے نزدیک وتر کے علاوہ تراویح بیس رکعات ہیں). (المبسوط (۲/ ۱۴۵)).

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے فرمایا! مختار مذہب امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بیس رکعت کا ہے، اور امام ثوری رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ چھتیس رکعات کے قائل ہے (المغنی (۱/ ۴۵۷)).

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا! کہ تراویح سنت ہے بالاتفاق، اور ہمارا مذہب بیس رکعت کا ہے، دس مرتبہ سلام پھیرنے کیساتھ، اور تراویح انفرادی اور با جماعت دونوں طریقوں سے اداء کرنا جائز ہے (المجموع (۳۱/۴)).

یہ چاروں ائمہ کرام کے مذاہب ہیں یہ سب گیارہ رکعت سے زیادہ کے قائل ہیں، اور گیارہ سے زائد پر قول کرنا شاید مندرجہ ذیل اسبابوں کیوجہ سے ہو:

(۱) ان حضرات کی رائی حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہاکے بارے میں یہ ہے کہ وہ کوئی معین عدد کی مقتضی نہیں، اور یہ قول (**في رمضان ولا في غيره**) بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے، کہ رات کی نماز سے مراد تہجد ہے، جو سال بر آٹھ رکعت ہوتی تھی، اور تین رکعت وتر.

یہ اس لئے کہ جمع بین الروایات ہو جائے، اور بعض میں تیرہ رکعات کا تذکرہ ہے، تو (**رمضان ولا في غيره**) سے تہجد کی نماز مراد ہوگی، گیارہ رکعات والی روایت اور تیرہ رکعات والی روایت تراویح کی عدد معین پر دلالت نہیں کرتے، اور یہ تحدید (عدد معین) صلاۃ اللیل (تہجد) میں فعلِ صحابہ اور سلفِ صالحین کے فعل سے ماخوذ ہے.

(۲) سلفِ صالحین سے بھی زیادت منقول ہے.

(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعات میں بہت طول کرکے ساری رات کو اس کیساتھ گھیر لیتے تھے، بلکہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ تراویح پڑھ رہے تھے، تو طلوع فجر سے کچھ دیر پہلے فارغ ہوگئے، حتی کہ صحابہ کو سحری فوت ہونے کا خدشہ ہوا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنا پسند کرتے تھے، اور ان کو طول کی کوئی شکایت نہیں ہوتی تھی، تو علماء کرام کی رائی یہ ہے! کہ اگر امام اس قدر نماز کو لمبا کردے جو لوگوں کیلئے مشقت اور بھگانے کا ذریعہ بن جائے، تو اِنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ امام قرات میں تخفیف اور عدد میں زیادت کو ملحوظ رکھے.

خلاصہ یہ نکلا کہ جس نے گیارہ رکعات کو اچھی طرح اداء کئے، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، تو وہ شخص بجانبِ حق اور سنت کی پیروی کرنے والا ہے، اور جس نے قرات میں تخفیف کرکے رکعات کو زیادہ کئے، تو اس نے بھی اچھا کیا، کسی پر کسی قسم کا ردو نکیر نہیں.

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا! کہ اگر کسی نے نمازِ تراویح بیس رکعات اداء کئے، جیسا کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے، یا چھتیس رکعات اداء کئے، جیسا کہ یہ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے، یا تیرہ رکعات یا گیارہ اداء کئے، تو اس نے اچھا کام کیا، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے ان پر تصریح کی ہے، اس لئے کہ تراویح کے متعلق کوئی عددِ معین منقول نہیں، تو رکعات کو کم یا زیادہ کرنا، طولِ قیام اور قصرِ قیام پر بناء ہے، (الاختیارات : ٦٤).

امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا! کہ احادیث صحیحہ سے تراویح پڑھنے کی ترغیب اور قیامِ رمضان معلوم ہوتا ہے، لیکن خاص عدد کا تذکرہ اس میں نہیں.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دن پڑھے تھے، لیکن کوئی خاص عدد منقول نہیں، پھر چوتھے دن اداء نہیں کئے، اس ڈر سے کہ یہ فرض نہ ہوجائے، تو لوگ پھر اداء کرنے سے عاجز ہوں گے.

ابن حجر الھیثمی رحمہ اللہ نے فرمایا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت نہیں، اور جس روایت میں بیس رکعات کا تذکرہ ہے وہ انتہائی ضعیف ہے، (الموسوعۃ الفقھیۃ ۲۷/۱۴۲،

۱۴۰۵)، تو کوئی تعجب نہ کر! اے سوال کرنے والے بیس رکعات تراویح کے بارے میں یہ اُن ائمہ کرام سے بہت پہلے گذر گئے ہیں، اور دونوں میں خیر ہے، واللہ اعلم[1].

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن شیبہ رحمہ اللہ سے حدیث نقل کیا ہے، اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، جس میں انہوں نے فرمایا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعات اور وتر اداء کرتے تھے، لیکن فرمایا یہ حدیث سنداً کمزور ہے[2].

یہ حدیث باوجود اس کے کہ یہ ضعیف ہے، لیکن دوسرے مؤیدات اور ادلہ سے بیس رکعات کے قول کو مرجح بنانا ممکن ہے، فرمایا! کہ (حدیث ضعیف مرجح بن سکتا ہے، لیکن مثبت نہیں)[3].

تو کسی قسم کی سختی اور تنگی نہیں کرنی چاہئے، بلکہ یہ مسئلہ مسلمانوں کی رغبت پر چھوڑنا چاہئے، جتنی قیام اللیل زیادہ ہوگی اتنا قرب الٰہی نصیب ہوگا.

فقہاء اور محدثین میں سے ایک طبقے نے فضائل اور ترغیب وترھیب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کو جائز کہا ہیں، ان میں سے ابن حجر عسقلانی، امام نووی، علامہ طیّبی، حافظ العراقی، ابن دقیق العید، ابن حجر ھیثمی الصنعانی بھی ہیں، علامہ ابن باز رحمہ اللہ نے بھی اس قول کو پسند کیا ہے[4].

عنوان نمبر ۲۷: نماز میں صرف آخری سجدے کو لمبا کرنا:

عام صورتحال:

بعض ائمہ حضرات صرف آخری سجدے کو لمبا کرتے ہیں، زیادہ تسبیحات کہنے سے یا زیادہ دعاء کرنے سے، اور بعض نمازی حضرات انفرادی نماز، فرض یا سنت میں بھی اس طرح لمبائی کرتے ہیں.

---

(۱) موقع (الإسلام سؤال وجواب).

(۲) فتح الباري: ۴/ ۳۲۲.

(۳) شرح فتح القدير على الهداية للكمال بن الهمام، تحقيق: عبد الرزاق المهدي، دار الكتب العلمية، بيروت: ۶/ ۱۳۸.

(۴) أحمد إسكينيد، موقع ملتقى أهل الحديث.

وعظ اور نصیحت:

صرف آخری سجدے کو لمبا کرنا خلافِ سنت ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع، سجدے اور جلسے میں مساوات کرتے تھے، اور صرف آخری سجدے کو لمبا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں.

جب امام یا نمازی دعاء کو لمبی کرنا چاھتا ہے، توآخری تشہد میں سلام سے پہلے دعاء کو لمبی کرنا ممکن ہے.

امام اپنے مقتدیوں کالحاظ پیش نظر رکھتے ہوئے نماز میں زیادہ طول (جو مشقت کاسبب بنے) نہ کرے.

(1) امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع، قومہ، سجدہ اور جلسہ سب برابر ہوتے تھے، (البخاری: ۹۲، ومسلم: ۱۷).

(2) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو تشہد سکھاتے ہوئے فرمایا! کہ (پھر جو دعاء چاہئے پسند کرو).

یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے، کہ دعاء تھوڑی ہو یا زیادہ آخری تشہد میں سلام سے پہلے کرنی چاہئے[۱].

عنوان نمبر ۲۸: امام کو قنوتِ نازلہ پڑھتے وقت مقتدی کا اس پر آمین کہنا:

عام صورتحال:

قنوتِ نازلہ فجر کی نماز میں یا وتر میں یا عام حوادث میں پڑھی جاتی ہے اسمیں دعاء اور ثناء دونوں ہیں، جب امام قنوتِ نازلہ پڑھتا ہے، تو مقتدی درمیانِ دعاء میں آمین کہتا ہے، اور بہت سے مقتدی حضرات ثناء کے درمیان بھی آمین کہتے ہیں، (یعنی امام ثناء پڑھتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں).

وعظ اور نصیحت:

جس دعاء کے کلمات میں مقتدی (آمین) کہتا ہے، وہ یہ ہے:

---

(۱)موقع (الإسلام سؤال وجواب).

﴿اللّٰهُمَّ اهدنا فيمن هديت، وتولنا فيمن توليت، وبارك لنا فيما أعطيت، وقنا شر ما قضيت﴾.

ترجمہ: یااللہ! ہمیں راہ دکھلااُن لوگوں میں جن کوآپ نے راہ دکھلائی، اور عافیت دے اُن لوگوں میں جن کوآپ نے عافیت عطافرمائی، اور کارسازی فرمایئے ہماری ان لوگوں میں جن کے آپ کارساز ہیں، اور برکت اُس چیز میں جوآپ نے ہم کو عطافرمائی اور بچاہم کو اُس چیز کے شر سے جس کوآپ نے مقدر فرمایا۔

اور ثناء کے کلمات میں مقتدی یاچپ رہے گااور یاامام کی طرح کلمات پڑھے گااور یہی افضل ہے۔

وہ کلمات یہ ہے:

﴿**فإنك** تقضي ولا يقضى عليك، وأنه لا يذل من واليت، ولا يعز ما عاديت، تباركت ربنا وتعاليت، فلك الحمد على ما قضيت ولك الشكر على ما أنعمت به وأوليت، نستغفرك ونتوب إليك﴾.

ترجمہ: کیونکہ فیصلہ کرنے والے آپ ہی ہیں، آپ کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، بے شک آپ کا دشمن عزت نہیں پاسکتااور آپ کا دوست ذلیل نہیں ہوسکتا۔ برکت والے ہیں آپ اے ہمارے پروردگار! اور بلند وبالا ہیں، تمام تعریفیں آپ کیلئے ہیں اس چیز پر جس کوآپ نے مقدر فرمایا ہے، اور آپ کیلئے شکر ہے تمام نعمتوں پر، ہم آپ سے مغفرت طلب کرتے ہیں، اور آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے المجموع (۳/ ۵۰۲) ط: دار الفکر میں فرمایا ہے! کہ اکثر علماء نے اس پر صلح کیا ہیں، کہ دعائیہ کلمات میں (آمین) کہنا چاہئے نہ کہ ثناء میں، (**فانك تقضي ولا يقضي عليك إلى آخره**) یہ ثنائیہ کلمات ہیں تواسمیں شریک ہوکر سکوت کریں گے، اس لئے کہ یہ ثناء اور ذکر ہے آمین کہنا اس میں مناسب نہیں۔

عنوان نمبر۲۹: بر موداجینز یا نیند کے کپڑوں میں نماز پڑھنا:

عام صورتحال:

(۱) بعض نوجوان بر مودہ جینز میں نماز پڑھتے ہیں۔

(۲) بعض نمازی رات کی استعمال ہونے والے کپڑوں یا گندے کپڑوں میں نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ انکی قدرت صاف کپڑوں پر ہیں، لیکن پھر بھی گندے کپڑوں میں نماز پڑھتے ہیں۔

وعظ اور نصیحت:

(۱) اگر جینز میں گھٹنے کا اوپر والا حصہ نظر آتا ہو، تو اس میں نماز جائز نہیں، پھر یہ نظر آنا رکوع کی حالت میں ہو، یا سجدے میں یا اٹھنے یا بیٹھنے میں، اس لئے کہ گھٹنے سے اوپر والا حصہ عورت میں داخل ہے، لیکن اگر گھٹنے سے اوپر والا حصہ نظر نہ آتا ہو، تو اس میں نماز جائز ہے۔

(۲) نیند کے کپڑوں یا گندے کپڑوں میں نماز اس وقت جائز ہے، جب یہ شخص صاف کپڑوں پر قادر نہ ہو، بالفرض اگر قدرت کے باوجود اس میں نماز کی، اور ان پر کوئی نجاست بھی نہیں تھی تو نماز جائز ہے، لیکن اس میں نماز کو ادنی سمجھنا ہے، جو مناسب نہیں، اس لئے کہ نماز میں بندہ رب کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، تو اچھے کپڑے پہن کر جس میں زینت ہو، اس میں نماز اداء کرنی چاہیئے۔

اللہ رب العزت نے فرمایا! (**خذوا زينتكم عند كل مسجد**) ترجمہ: (جب کبھی مسجد میں آؤ تو اپنی خوشنمائی کا سامان (یعنی لباس جسم پر) لے کر آؤ)

تو میں اس شخص سے پوچھنا چاہتا ہوں جو نیند کے کپڑوں یا گندے کپڑوں میں نماز اداء کرتا ہے، کیا تم کوئی شرف اور مقام والے آدمی کے سامنے ان کپڑوں میں کھڑے ہو سکتے ہو؟

جواب: نہیں! تو اللہ جل جلالہ کے سامنے کھڑے ہونے کیلئے زینت اختیار کرنی چاہیئے۔

عنوان نمبر۳۰: امام کے سلام کے بعد مسبوق کا باقی نماز کو مکمل نہ کرنا:

عام صورتحال:

بعض مسبوق حضرات امام کیساتھ سلام پھیر کر باقی نماز کو پورا نہیں کرتے، اس گمان پر کہ جو ہم نے امام کیساتھ اداء کیا یہ کافی ہے۔

وعظ اور نصیحت:

مسبوق کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد نماز پورا کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جب آپ نماز کیلئے آتے ہو، تو سکون اور اطمینان کیساتھ آؤ، جو امام کیساتھ مل جائے تو اداء کرو اور جو فوت ہو جائے تو پورا کرو[1].

عنوان نمبر ۳۱: مقتدی کی نماز اس امام کے پیچھے جو بیٹھ کر نماز اداء کرتا ہو:

عام صورتحال:

جب عذر کی وجہ سے امام بیٹھ کر نماز اداء کر رہا ہو، تو کیا مقتدی حضرات کھڑے ہو کر نماز اداء کریں گے یا بیٹھ کر امام کی طرح نماز پڑھیں گے؟

وعظ اور نصیحت:

جب امام کھڑے ہونے سے عاجز ہو جائے تو مناسب یہ ہے کہ دوسرے شخص کو اپنی جگہ نائب مقرر کردے.

اگر نائب مقرر نہیں کیا اور خود نماز بیٹھ کر اداء کر رہا ہے، (اور عذر مرض وغیرہ ہو جس سے صحت یابی کی امید ہو، اور کھڑے ہونے سے عاجز ہو، یا ابتداء سے بیٹھ کر نماز شروع کیا ہو)، تو پیچھے مقتدی حضرات بھی بیٹھ کر نماز اداء کریں گے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فرمان کی وجہ سے کہ! (امام اقتداء کرنے کیلئے بنایا گیا ہے) اس قول تک (جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو، تو آپ بھی بیٹھ کر نماز پڑھو) اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضِ وفات کی بات ہے، تو وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ابتداءً کھڑے ہو کر نماز شروع کی تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور نماز پڑھی، تو اس یہ معلوم ہوتا ہے، کہ جب امام نماز کھڑے ہو کر شروع کردے اور پھر درمیان میں بیٹھ جائے تو مقتدی حضرات کھڑے رہیں گے.

---

(۱) موقع موسوعة الفتاوى.

اور ایک طبقہ اہل علم میں سے یہ فرماتا ہیں کہ مرضِ وفات والی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز اداء کرنا صحیح ہے۔

اور دوسرے احادیث کے روسے بیٹھنا افضل معلوم ہوتا ہے، کہ مقتدی بھی امام کی طرح بیٹھ کر نماز اداء کریں، لیکن دونوں طبقے راہِ راست پر ہیں اس میں کوئی حرج نہیں... (ان شاء اللہ).

شیخ محمد المنجد نے فرمایا!

پہلی بات:

احادیث اور اقوالِ علماء کے روسے بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے نماز اداء کرنا صحیح ہے۔

﴿فعن عائشة قالت اشتكى رسول الله صلى الله عليه وسلم فدخل عليه ناس من أصحابه يعودونه فصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم جالسا فصلوا بصلاته قياما فأشار إليهم أن أجلسوا فجلسوا فلما انصرف قال إنما جعل الإمام ليؤتم به فإذا ركع فاركعوا وإذا رفع فارفعوا وإذا صلى جالسا فصلوا جلوسا (رواه المسلم: ٩٢٦)﴾.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوگئے، آپ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس آپ کی بیمار پرسی کے لئے حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھی تو انہوں نے آپ کی اقتداء میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنی شروع کی، آپ نے انہیں اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ تو وہ بیٹھ گئے، جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو آپ نے فرمایا! امام اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ (رکوع و سجود سے سر) اٹھائے تو (پھر) تم (بھی سر) اٹھاؤ اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

افضل یہ ہے کہ جو قیام کا طاقت نہیں رکھتا ہو اُس کو امام نہ بنایا جائے تاکہ جو بطلان کے قائل ہیں اسکے ساتھ اختلاف ختم ہو جائے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا! کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور اصحاب ظواہر فرماتے ہیں! کہ جو کھڑے ہونے کا طاقت نہ رکھتا ہو تو انکے لئے مستحب یہ ہے کہ کسی اور کو اپنی جگہ نائب مقرر کردے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا تھا، اور اسمیں ان لوگوں سے اختلاف بھی ختم ہوگا، جو بیٹھے ہوئے امام کی اقتداء کو صحیح نہیں کہتے، (۱۶۲/ ۴)، اسلئے کہ کھڑا ہونے والا شخص اکمل اور احسن طریقے سے نماز مکمل کریگا. (شرح المھذب).

ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں! کہ جب امام مریض ہوجائے یا کھڑے ہونے سے عاجز ہوجائے، تو مستحب یہ ہے کہ کسی اور کو اپنا قائمقام بنائے.

اس لئے کہ بیٹھے ہوئے امام کی امامت میں علماء کرام نے اختلاف کیا ہیں تو خلاف سے نکل کر اتفاق کرنے میں آجائیں گے.

یہ اس لئے کہ کھڑے ہونے والے کی نماز اکمل ہے بیٹھے ہوئے کی بنسبت، تو امام کی نماز کامل ہونی چاہئے (المغنی: (۲/ ۲۸)).

جب بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے نماز صحیح ہے تو پھر مقتدی بھی بیٹھ کر نماز اداء کریں گے، یہ ظواہر اور امام احمد کا مذہب ہے، اور اس کو ابن **عثیمین** رحمہ اللہ نے پسند کیا ہے.

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں! کہ ابو سلیمان اور ہمارے ساتھی کہتے ہیں: کہ مریض بیٹھ کر امامت کرے گا، اور مقتدی اگر (قیام کی طاقت رکھتے بھی ہو) تو بھی پیچھے بیٹھ کر نماز اداء کریں گے، علی رحمہ اللہ فرماتے ہے کہ یہ ہمارا مذہب ہے، (محلّی ابن حزم).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے! کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے، تو تم بھی بیٹھ کر نماز اداء کرو. (رواہ مسلم).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے! کہ جب امام کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے، تو آپ بھی کھڑے ہو کر نماز اداء کرو جب وہ بیٹھ کر نماز اداء کررہا ہو، تو آپ سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھا کرو. (رواہ مسلم، (۶۲۸)).

ابن **عثیمین** رحمہ اللہ فرماتے ہے! کہ اصل امر میں وجوب ہے، خاصکر اسکی علت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول (**إنماجعل الإمام ليؤتم به**) سے بیان کی ہے.

(یعنی امام اسلئے بنایا گیا ہے، تاکہ اسکی اقتداء کی جائے).

ایک دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے اور کھڑے ہونے سے عاجز تھے، تو بیٹھ کر نماز اداء کیا اور سارے صحابہ کو اشارہ کرکے سب بیٹھ گئے.

تو نماز میں اُن کو اشارہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ (**صلوا قعودًا**) میں امر وجوب کیلئے ہے.

صحیح قول کی بناء پر جب امام بیٹھا ہو تو مقتدی بھی بیٹھ جائیں گے، اگر مقتدیوں نے کھڑے ہو کر نماز اداء کی، تو نماز باطل ہوگی. (شرح الممتع، ۴/ ۲۳۰).

دوسری روایت امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے! کہ مقتدی پر بیٹھنا واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھی، تو جائز ہے.

(کتاب الانصاف) میں ہے! کہ قطعی مذہب یہ ہے! کہ مقتدی حضرات بیٹھ کر نماز اداء کریں گے، اور اس پر اکثر علماء نے قول کیا ہے.

(اگر کھڑے ہو کر نماز اداء کی تو صحیح ہوگی) بنابر ایک روایت:

(دو روایات ہیں):

پہلی روایت:

(المغنی) اور (شرح الفائق) اور (النظم) نے اسکو مطلق ذکر کیا ہے.

دوسری روایت:

(الفروع) اور (بلغہ) میں کھڑے ہو کر نماز اداء کرنے کو صحیح کہا ہے.

تیسری قول: احناف اور شافعیہ کا ہے:

کہ بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز اداء کرنا واجب ہے، اگر (باوجودِ قدرت) بیٹھ گیا تو نماز صحیح نہ ہوگی.

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا! کہ ہمارا مذہب یہ ہے! کہ اگر امام بیٹھا ہو، تو اسکے پیچھے مقتدی کھڑے ہو کر نماز اداء کریں گے، اگر مقتدی حضرات بیٹھ کر نماز اداء کریں، تو نماز صحیح نہیں ہو گی.

یہ ابو ثور، امام ثوری، امام ابو حنیفہ اور علامہ حمیدی اور بعض مالکیہ کا مذہب ہے.

اور امام اوزاعی، احمد، اسحاق، ابن المنذر کے رائی کے مطابق بیٹھ کر نماز اداء کریں گے، کھڑا ہونا جائز نہیں.

ایک روایت میں امام مالک اور اسکے بعض شاگردوں سے یہ نقل ہے! کہ مطلّقاًامام کے پیچھے بیٹھ کر نماز اداء کرنا صحیح نہیں، امام شافعی اور ان کے تلامذہ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا سے استدلال کرتے ہیں.

کہ مرضِ وفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امامت کی اجازت دی تھی، جب اُس نے نماز شروع کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدن میں خفت محسوس کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو شخصوں کے درمیان لایا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پاؤں زمین پر لکیریں کھینچتے تھے، اور آ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بائیں طرف بیٹھ گئے.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بیٹھنے کی حالت میں نماز اداء کر رہے تھے، اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کر رہے تھے، اور باقی لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں تھے، یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں نے نقل کیا ہیں.

یہ واضح ہے! کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بائیں طرف میں بیٹھے تھے. (شرح المہذب: (۴/ ۱۶۲))، (المغنی: ۲/ ۲۷).

اور جو حضرات بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے بیٹھنے کو واجب کہتے ہیں، انہوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ جواب کیا ہیں، کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر نماز شروع کی تھی.

شیخ ابن **عثیمین** نے فرمایا! کہ تطبیق ممکن ہے، اِسکو امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اشارہ کیا ہے تو فرمایا! صحابہ کرام کھڑے تھے اس لئے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر نماز شروع کی تھی، اور اس بناء پر ہم کہتے ہیں، کہ اگر امام کو نماز کے دوران کوئی مشکل در پیش آئے جس کیوجہ سے وہ کھڑے ہونے سے عاجز

ہو جائے، اور وہ اپنی نماز بیٹھ کر پورا کر رہا ہو، تو مقتدی حضرات کھڑے ہو کر اپنی نماز کو پوری کریں گے، اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت اچھا تطبیق ہے، اور اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ جب امام ابتداء سے بیٹھ کر نماز اداء کر رہا ہو، تو مقتدی بھی بیٹھے رہیں گے، اور اگر امام ابتداء سے کھڑے ہو کر نماز اداء کر رہا ہے، پھر امام کو کوئی مشکل در پیش آ جائے، جسکی وجہ سے وہ بیٹھ جائے، تو مقتدی اپنی نماز کو کھڑے ہو کر پوری کریں گے، تو دونوں دلیلوں پر عمل آ جائیگا ہے کوئی دلیل بھی مہمل نہیں رہے گی، (من شرح الممتع: ۴/ ۲۳۳).

تیسری بات:

مسئلہ معلوم ہونے سے پہلے جو نمازیں آپ نے بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے کھڑے ہو کر کئے ہیں، وہ تو ہو گئی ہیں اس لئے کہ آپ کو مسئلہ معلوم نہیں تھا، لیکن اس کے بعد ابھی ایسا کرنا چاہئے کہ بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے بیٹھ کر نماز اداء کرنی چاہئے، اگر کھڑے ہو کر نماز اداء کی، تو نماز صحیح نہ ہو گی[1].

عنوان نمبر ۳۲: چھوٹے بچے سے امامت کروانا:

عام صورتحال:

بعض حضرات چھوٹے بچوں سے امامت کرواتے ہیں مختلف اسباب کی وجہ سے.

وعظ اور نصیحت:

شیخ منجد نے فرمایا!

پہلی بات:

فقہاء نے نابالغ بچے کی امامت میں اختلاف کیا ہیں، (الموسوعة الفقهية) میں ہے! کہ جمہور فقہاء (احناف، مالکیہ، حنابلہ) کے نزدیک فرض نماز میں امامت کے صحیح ہونے کیلئے بلوغ شرط ہے، فرض نمازوں میں، نابالغ بچے کی امامت بالغ کیلئے اِن حضرات کے نزدیک صحیح نہیں، اس لئے کہ بالغ کا حال کامل ہے، اور چھوٹا بچہ اُسکا اہل نہیں، اور اس لئے کہ امام ضامن ہوتا ہے اور چھوٹے بچے پر کوئی ذمہ داری نہیں، اور خفیاں نمازوں میں غلطی ہونے سے بھی وہ محفوظ نہیں ہوتا، یعنی غلطی کا وقوع ممکن ہے.

---

(١) موقع الإسلام سؤال وجواب.

لیکن فرض نماز کے علاوہ جمہور فقہاء (شوافع، مالکیہ، حنابلہ اور بعض احناف) کے نزدیک نابالغ بچے کی امامت بالغ کیلئے درست ہے، اس لئے کہ اس میں قوی کی بناء ضعیف پر لازم نہیں آتی۔

لیکن راجح قول احناف کے نزدیک یہ ہے ! کہ مطلقاً (سارے احوال میں) بچے کو امامت نہ کروائیں، خواہ فرائض میں ہو یا نوافل میں۔

اور شوافع نے امامت کیلئے بلوغ کا شرط نہیں لگایا، تو اُن کے نزدیک مطلقاً (جو نماز بھی ہو) بالغ کی اقتداء نابالغ بچے کے پیچھے صحیح ہے۔

ابن سلمۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے کہ وہ اپنی قوم کو امامت کرتا تھا، اس وقت کہ وہ چھ سال یا سات سال کی عمر میں تھا، لیکن شوافع بھی فرماتے ہیں کے بالغ کی امامت بہتر ہے چھوٹے بچے سے، اگرچہ چھوٹا بچہ اعلی قاری اور زیادہ فقیہ کیوں نہ ہو، اس لئے کہ بالغ کی امامت کرنے پر علماء کا اتفاق ہے، اور (بویطی) میں چھوٹے بچے کی امامت کو صراحتاً مکروہ کہا ہے،

لیکن نابالغ کی امامت نابالغ کیلئے پانچوں نمازوں اور اس کے علاوہ دوسرے نمازوں میں تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ! چھوٹے بچے کی امامت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہیں:

حسن بصری اور امام شافعی اور اسحاق رحمہم اللہ جواز کے قائل ہیں اور امام مالک اور امام ثوری رحمہما اللہ کراہت کے قائل ہیں، امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ سے دو روایت نقل ہے، لیکن مشہور یہ ہے کہ نوافل میں بچے کی امامت درست ہے نہ کہ فرائض میں۔ (فتح الباری: ۲/ ۱۸۶)، (الام للشافعی: ۱/ ۱۹۳)۔

یہ راجح قول ہے کہ چھوٹا بچہ جب نابالغ ہو تو اسکی امامت صحیح ہے اس وقت جب وہ نماز کو اچھی طرح اداء کرسکتا ہو، اگرچہ بالغ اچھا قاری موجود کیوں نہ ہو، یہ اس لئے کہ بخاری (4302) اور ابوداؤد (585) نسائی (767) نے عمرو بن سلمہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہے کہ جب میری قوم واپس آئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجلس سے تو انہوں نے فرمایا ! کہ رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا ! کہ امام اُس شخص کو بناؤ جو تم میں سے قرآن کریم کی زیادہ قرات کرنے والا ہو، وہی امام تم کو امامت کروائے گا، اس نے فرمایا ! کہ انہوں مجھ کو بلایا اور مجھے رکوع، سجدہ سکھایا تو میں انکو نماز دے رہا تھا، (یعنی میں امام بن گیا)۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا! یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے اس پر کہ ممیّز کی امامت فرائض میں درست ہے، اور یہ مشہور اختلافی مسئلہ ہے، لیکن جس نے یہ کہا کہ اِن حضرات نے یہ اپنا اجتہاد کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی کوئی خبر نہیں تھی یہ بے انصافی ہے اس لئے کہ یہ نفی کی گواہی ہے اور وہ نزولِ وحی کا زمانہ تھا تو کس طرح ایک ناجائز امر پر سکوت اور خاموشی اختیار ہو.

شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے فرمایا! بچے کے عمر سات یا اس سے اوپر ہو تو امامت کرنے میں کوئی حرج نہیں جب وہ نماز کو اچھی طرح پڑھ سکتا ہو، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ اگر قرات میں سب برابر ہوں، تو پھر جو سنت کو زیادہ جاننے والا ہو، اگر اس میں بھی برابر ہوں تو پھر جس نے پہلے ہجرت کی ہو، اگر ہجرت میں بھی برابر ہوں، تو جس کی عمر زیادہ ہو جیسا کہ یہ صحیح روایت منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے.

مجموع فتاوی ابن باز (۳۰/ ۱۶۶) فتاوی اللجنۃ الدائمۃ (۷/ ۳۸۹).

ابن عثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا! چھوٹے بچے کی امامت اپنے سے زیادہ عمر والوں کیلئے درست ہے، لیکن اگر وہ مقتدی بالغ ہو تو پھر صحیح قول کی بناء پر امامت صحیح نہیں، اور یہ عدمِ صحت صرف فرائض میں ہے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ فرائض میں بھی امامت درست ہے اور نوافل میں بھی، اس پر دلیل ابن سلمہ کی حدیث ہے.

(فتاوی ورسائل ابن عثیمین) (۱۵/ ۸۱).

تو جب چھوٹے بچے کی امامت صحیح ہے، تو خطبہ دینا بھی صحیح ہوگا، بشرطیکہ ارکانِ خطبہ جانتا ہو، اس لئے کہ نماز کی شرط ذات کے اعتبار سے سخت ہے خطبہ کے بنسبت (یعنی نماز میں احتیاط زیادہ ہے خطبہ سے).

ابن عابدین رحمہ اللہ نے اپنے حاشیہ (2/ 176) اور ظہیریہ میں فرمایا ہے:

کہ اگر چھوٹا بچہ خطبہ پڑھے تو اسمیں علماء نے اختلاف کیا ہیں اکثر کے نزدیک جائز ہے.

(اور بچے سے مراد وہ بچہ ہے جو عاقل ہو).

خطبہ کے ارکان کو جاننے کیلیئے، سؤال وجواب نمبر (115854) کو رجوع کریں اور اس مسئلے کو جاننے کیلیئے کہ کون اولیٰ بالامامت ہے، سؤال وجواب نمبر (20219) کو رجوع کریں.

دوسری بات:

قنوتِنازلہ صرف فجر کی نماز کیساتھ مختص کرنا صحیح نہیں، بلکہ پانچوں نمازوں میں (ان حوادث کی وجہ سے جو عام امتِ مسلمہ پر نازل ہوتے ہیں) پڑھنا جائز ہے، اسکی وضاحت کیلیئے سؤال وجواب نمبر (20031)، (10105) کو دیکھا جائے.

تیسری بات:

آخری نصیحت جو میں کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ چھوٹے بچوں کی امامت میں جلدی نہ کیا کرو، اور اس کو امامت یا خطبہ کیلیئے بھی آگے نہ کیا کرو، خاص کر جبکہ وہ کم عمر ہو، بلکہ اس کو ایک اچھے مربی کیساتھ بیٹھانا چاہیئے، کہ اسکی صحیح تربیت کیا کرے، اور صحیح اسلامی نہج کو سکھائے، اور اسکی تعلیم اور تربیت کا خیال رکھے.

اور اس جلد بازی کے خطرات بھی زیادہ ہیں، اس جلدی کی وجہ سے وہ شہرت اور حسد جیسے مصیبت میں پھنس جائے گا اور فساد کا دروازہ بھی کھل جائے گا، اور بہت سے چھوٹے بچے اس کم عمری میں امامت اور خطابت کے درپے ہو کر اچھی تربیت سے محروم ہو جاتے ہیں[١].

---

(١) موقع الإسلام سؤال وجواب.

وہ نصیحتیں جو نماز کے بعد والے کاموں کے بارے میں ہیں

عنوان نمبرا: نمازِ مغرب اور فجر کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے دس مرتبہ لاالہ الااللہ پڑھنا:

عام صورتحال:

نمازِ فجر اور مغرب کے بعد دس مرتبہ مذکورہ دعاء (**لا إله إلا الله وحده لا شريك له الملك وله الحمد، يحيي ويميت، وهو على كل شيء قدير**) پڑھنا سنت ہے، بعض نمازی حضرات بالکل پڑھتے ہی نہیں اور بعض اپنی جگہ سے اٹھنے کے بعد پڑھتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

یہ دعاء جگہ بدلنے سے پہلے پڑھنا ضروری ہے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھنے سے پہلے اور جگہ تبدیل کرنے سے پہلے پڑھنے کو ترغیب دیا ہے.

عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے! کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جس نے یہ دعاء (**لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، يحيي ويميت، وهو على كل شيء قدير**) اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے مغرب اور فجر کی نماز کے بعد دس مرتبہ پڑھی، تو اللہ جل جلالہ ہر کلمے کے عوض دس نیکیاں لکھتے ہیں، اور دس گناہوں کو معاف کرتے ہیں، اور دس درجے بلند کرتے ہیں اور اس کو ہر ناپسندیدہ چیز سے امن دیتا ہے، اور شیطان سے بھی محفوظ رکھتا ہے، اور کسی گناہ کی وجہ سے وہ کوئی خطرہ بھی محسوس نہیں کرے گا، ماسوا شرک کے، اور یہ دعاء پڑھنے والا سب سے افضل ہوگا عمل کے اعتبار سے[1].

اور (**يثني رجليه**) کا معنی! یعنی ہیئت کو تبدیل کرکے کسی اور طرح بیٹھے[2].

---

(١) رواه أحمد في المسند (٢٩/ ٥١٢) ومعنى قوله (قبل أن يثني رجليه) أي: يعطفهما بغيرهما عن هيئة التشهد، كما يقول الملا علي القاري في: مرقاة المفاتيح (٧٧٣/ ٢).

(٢) القاموس المحيط: للفيروزآبادي ـ ثنى، ص: ١٢٦.

تحقيق: مكتب تحقيق التراث في مؤسسة الرسالة.

مؤسسة الرسالة ـ بيروت ط ٧ ـ ١٤٣٤هـ ـ ٢٠٠٣م.

عنوان نمبر ۲: اپنے ساتھی کو فرض نماز ختم ہونے کے بعد جگہ چھوڑنا:

عام صورتحال:

جب نماز مکمل ہوتی ہے تو اکثر نمازی تشہد میں بیٹھے ہوتے ہیں، لیکن بعض یہ ہیئت بدل کرکے (مرض یا کسی عذر کی وجہ سے) دوسرے ہیئت پر بیٹھتے ہیں، اور جگہ خالی ہوتی ہے، تو نمازی ان کی طرف حرکت نہیں کرتے، بلکہ پیچھے والے نمازیوں کو تشہد کی حالت میں بیٹھنے پر مجبور کرتے ہیں۔

وعظ اور نصیحت:

ہر نمازی کو اپنے ساتھی کا خیال رکھنا چاہیئے، خاص کر جس کو تشہد کی حالت میں بیٹھنا مشکل ہوتا ہے، تو مناسب یہ ہے کہ وہ خالی جگہ کی طرف حرکت کرکے اپنے ساتھی کی مدد کرے، تاکہ وہ اچھے طریقے سے اذکار پورے کرلے (شاید یہ اس امر باری تعالیٰ میں شامل ہو) **(يا أيها الذين آمنوا إذا قيل لكم تفسحوا في المجالس فافسحوا يفسح الله لكم)** (المجادلۃ: ۱۱) **ترجمہ:** (اے مسلمانو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں ذرا کشادگی پیدا کرو تو تم جگہ کشادہ کرو، اللہ جل جلالہ تمہیں کشادگی دے گا)۔

اس لئے شیخ عبد الرحمٰن سعدی نے فرمایا! یہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے اپنے بندوں کیلئے آدب ہے کہ جب کوئی شخص جگہ کو محتاج ہو یا آنے والے حضرات پہنچ جائیں یعنی مہمان حضرات، تو ان کو جگہ دینا، اور اس سے جگہ دینے والے کو بھی کوئی ضرر نہیں ہوتا، بلکہ ایک اچھے اخلاق کا مظاہرہ ہے، کیونکہ جزاء من جنس العمل ہوتا ہے اور جس نے کشادگی کی اللہ جل جلالہ ان کو کشادگی دے گا، جس نے اپنے بھائی کو جگہ دی تو اللہ جل جلالہ ان کیلئے وسعت عنایت فرمائے گا[1]۔

اور جگہ کا مطالبہ جس طرح زبان سے کہہ کر (کہ مجھے جگہ دو) سے ہوتا ہے اسی طرح حال سے بھی مطالبہ ہوتا ہے (یعنی اُس شخص کی حالت اِس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ جگہ کا طلبگار ہے)، تو جو شخص تشہد کی حالت میں نہیں بیٹھ سکتا تو گویا کہ وہ یہ کہتا ہے کہ مجھے جگہ دو، تو حال کا مطالبہ اعلیٰ ہے زبان کے بنسبت۔

---

(۱) ص: (۸۴۶) تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان.

عبد الرحمن السعدي، تحقيق: عبد الرحمن اللويحق، ط ۱، ۱۴۲۰ هـ ـ ۲۰۰۰م، مؤسسة الرسالة بيروت.

عنوان نمبر ۳: اونچی آواز سے ذکر یا تسبیحات کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی نماز کے بعد اذکار اور تسبیحات اُونچی آواز سے کرتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

اگر یہ بلند آوازی آنے والے نمازیوں کو یا سنت پڑھنے والوں کو تشویش میں ڈالتا ہو تو یہ جائز نہیں (اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بعض تم میں سے بعض پر تلاوت یا نماز میں آواز کو بلند مت کیا کرو).

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا اُس شخص کے متعلق جو بلند آواز سے تلاوت کرکے دوسروں کو تکلیف دیتا ہو.

تو جواب میں فرمایا! کسی کیلئے بلند آواز میں (تلاوت) کرنا (خواہ نماز میں ہو یا غیر نماز) صحیح نہیں، جبکہ دوسروں کو اس سے تکلیف ہو[1]، اگر یہ (اونچی آواز سے قرات کرنے میں) دوسروں کو تکلیف نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں.

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کیا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا فرض نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا[2].

عنوان نمبر ۴: کیا تسبیحات صرف دائیں ہاتھ سے کرنی چاہئے یا دونوں ہاتھوں سے:

عام صورتحال:

اکثر نمازی حضرات یہ کہتے ہیں کہ صرف دائیں ہاتھ سے تسبیحات کرنی چاہئے نہ کہ دونوں ہاتھوں سے اور اس میں زیادہ تشدد کرتے ہیں.

---

(۱) مجموع الفتاوی: ۲۳/ ٦٤.

(۲) البخاري: ۸۴۱.

وعظ اور نصیحت:

یہ اتفاقی بات ہے! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام کاموں کو دائیں طرف سے شروع کرنا پسند کرتے تھے.

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے! وہ فرماتی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف کو تمام کاموں میں اختیار کرنا پسند کرتے تھے جیسے: پاکی میں، جوتے پہنے میں، اور کھنگی کرنے میں[1].

لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے کبھی بائیں ہاتھ کو استعمال نہ کیا ہو، بلکہ کبھی کبھار بائیں ہاتھ کو بھی استعمال کرتے تھے.

ذکر اور تسبیحات کے مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو روایت نقل ہے:

(۱) ہاتھ کو مطلق ذکر کیا ہے جو دونوں کو شامل ہے.

(۲) ایک روایت میں محمد بن قدامہ نے (**بيمينه**) لفظ کی زیادت کی ہے جسکا معنی ہے (دائیں ہاتھ) ابھی اس مسئلے کا لب لباب (خلاصہ) آپ کے سامنے رکھتا ہوں.

پہلی بات:

تمام روایات میں ہاتھ کو مطلق ذکر کیا ہے کسی بھی روایت میں دائیں ہاتھ کا خاص تذکرہ نہیں ہوا ہے، فقط ابو داؤد کی ایک روایت میں جو محمد بن قدامہ نے نقل کیا ہے اس میں (**بيمينه**) لفظ ہے جو میں بعد میں ذکر کرونگا اس اختصار کو پیش نظر رکھ کر میں اس روایت کو ذکر کرتا ہوں جس میں تسبیح کے مسئلے میں ہاتھ کو مطلق ذکر کیا گیا ہے پھر اُن حضرات کا تذکرہ کر رہا ہوں جنھوں نے اس پر اجماع کیا ہے.

امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی سند کیساتھ .... عبد الرحمٰن بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا! کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ وہ تسبیح کر رہے تھے[2].

---

(۱)البخاري: ۴۱۸.

(۲) تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي: ۹/ ۳۳۳.

دوسری روایت ترمذی میں ہے، وہی اوپر والی روایت ہے، لیکن صرف **(بيده)** لفظ کا اضافہ کیا گیا ہے[1].

اس جیسے روایات مذکورہ کتب میں منقول ہیں:

(1) سنن النسائي: 3/ 79.

(2) السنن الكبرى للبيهقي ـ 1278.

(3) وروي عن سفيان بن عيينة عن الحميدي ـ 583.

(4) والبخاري في الأدب المفرد ـ 1216.

(5) والنسائي في عمل اليوم والليلة ـ 819.

(6) وجرير غن أحمد ـ 2/ 160.

(7) وشعبة عن أحمد ـ 104/2.

(8) ومعمر عن عبد بن حميد ـ 356.

(9) وشعبة عن أبي داؤد ـ 5065.

(10) وإسماعيل بن علية عن ابن ماجة ـ 926، والترمذي ـ 3410.

(11) ومحمد بن فضيل، وأبي يحيى التميمي، وعبد الله بن الأجلح عن ابن ماجة ـ 920.

(12) وحماد بن زيد عن النسائي ـ3/ 74، وفي السنن الكبرى ـ 1271.

(13) وإسماعيل بن أبي خالد عن النسائي في عمل اليوم والليلة ـ 813.

وہ روایت جس میں محمد بن قدامہ منفرد ہے اور امام ابو داؤد نے نقل کیا ہے وہ یہ ہے:

امام ابو داؤد رحمہ اللہ اپنے سند کیساتھ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسبیح کیا کرتے تھے اور ابن قدامہ رحمہ اللہ نے **(بيمينه)** لفظ اضافہ کیا ہے[2].

---

(١) تحفة الأحوذي: ٩/ ٤٢٤ ـ ٤٢٥.

(٢) عون المعبود شرح سنن أبي داؤد: ٤/ ٢٧١.

ابو داؤد کی شارحین میں سے علامہ سبکی نے اس پر تعلیق کرتے ہوئے فرمایا! کہ یہ لفظِ **(بيمينه)** صرف محمد بن قدامہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے نہ کہ دوسرے راویوں نے[1].

تو ظاہر ہوگیا کہ محمد بن قدامہ اس میں منفرد ہے تو وہ روایات راجح ہیں جس میں **(بيمينه)** کا تذکرہ نہیں ہے، اس لئے کہ محمد بن قدامہ رحمہ اللہ نے اپنے ساتھی (عبید اللہ بن عمرو میسرہ) سے خلاف کیا ہے، جسکا ذکر پہلے گذر چکا ہے، اور ثقہ روایوں سے بھی خلاف کیا ہے.

دوسری بات: اور بہت سی احادیث بھی (اطلاق الید) مطلقِ ہاتھ کو تسبیح میں استعمال کرنے کی تائید کرتے ہیں.

یسیرۃ بنت یاسر (جو ہجرت کرنی والی عورتوں میں سے ایک ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے فرماتی ہے! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اے عورتوں! انگلیوں سے تسبیحات کیا کرو اس لئے کہ قیامت کے دن اِن سے پوچھ کر یہ انگلیاں باتیں کریں گی[2].

ابو داؤد کی روایت میں ہے! کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو حکم دیا تھا کہ وہ تکبیر اور تسبیحات اور **لا الہ الا اللہ** پڑھنے کا بھی اہتمام کیا کریں، اور انگلیوں سے تسبیحات کیا کریں اس لئے کہ قیامت کے دن انگلیاں گویا ہوں گی[3].

اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے! کہ یحییٰ بن سعید القطان نے بنی کلیب قبیلہ کی ایک عورت سے نقل کیا ہے وہ فرماتی ہے! کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے دیکھا جب میں تسبیح سے ذکر کر رہی تھی، تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا! کہ کدھر ہے گواہی دینے والی (یعنی انگلیاں)[4].

---

(١) المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داؤد: ٨/ ١٦٦.

(٢) جاء هذا الحديث: برواية الترمذي، تحفة الأحوذي ٩/ ٤٢٤ ـ ٤٢٥، وأخرجه النسائي، والحاكم وصححه.

(٣) سنن أبي داؤد ١٥٠١، باب التسبيح بالحصى، وقد حسنه النووي، والحافظ ابن حجر، وصححه الحاكم ووافقه الذهبي. جامع الأصول في أحاديث الرسول لابن الأثير الجزري: ٤/ ٣٨٥، تحقيق: عبد القادر الأرناؤوط. وعون المعبود في شرح سنن أبي داؤد: ٤/ ٢٧٠، ونيل الأوطار للشوكاني: ٢/ ٣٥٨.

(٤) مصنف ابن أبي شيبة: ٧٥٤٢.

اس لئے کہ انسان کے اعضاء قیامت کے دن گواہی دیں گے۔

اور یہ احادیث صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مطلقِ ہاتھ کو ذکر میں استعمال کیا کرو کیونکہ دائیں ہاتھ وغیرہ احادیث میں ذکر نہیں.

اور ابن ابي شیبہ رحمہ اللہ نے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیر میں (**شواهد يعني اصابع**) کو نقل کیا ہے وہ بھی مطلق ہے کسی دائیں بائیں ہاتھ کی قید اس میں ذکر نہیں.

تیسری بات: تو معلوم ہوا کہ (**بيمينه**) کا زیادت علامہ ابن قدامہ کی طرف سے ہے اور محدثین نے ایک قاعدہ مقرر کیا ہے کہ کیا ثقہ راویوں کی زیادت مطلّقا قبول ہوگی یا نہیں؟.

امام نووی رحمہ اللہ نے ثقہ کی زیادت کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

(1) ثقہ راویوں کی روایت سے مخالفت کی گئی ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر رد ہوگا.

(2) کسی ثقہ راوی نے حدیث میں کسی لفظ کا اضافہ کیا ہو، لیکن دوسرے راویوں نے اِس پر نکیر نہ کیا ہو تو یہ بالاتفاق قابلِ قبول ہوگا.

(3) کسی ثقہ راوی نے حدیث میں زیادت کی ہو یعنی ایسا لفظ کا اضافہ کیا ہو کہ اِس حدیث کی دوسرے راویوں نے یہ لفظ ذکر نہ کیا ہو، لیکن اس پر بعض راویوں نے نکیر کیا ہو اور دوسرے بعض راویوں نے قبول کیا ہو[۱].

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے امام نووی رحمہ اللہ سے (تدریب الراوی شرح تقریب النووی)[۲] میں نقل کیا ہے! کہ ہمارا زیر بحث مسئلہ تیسری قسم میں سے ہے اس لئے کہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے جو زیادت کی ہے کسی اور نے اس طرح زیادت نہیں کیا ہے. اور اس قسم کی زیادت میں محدثین نے اختلاف کیا ہے بعض نے قبول کیا ہے اور بعض نے رد کیا ہے، اور بعض نے سکوت اور توقف اختیار کیا ہے.

---

(۱)إرشاد طلاب الحقائق إلى معرفة سنن خير الخلائق صلى الله عليه سلم للنووي ص: ۹۸ ـ ۹۹.

تحقيق: د: نور الدين عتر.

(۲) تدريب الراوي في شرح تقريب النووي: ۱/ ۳۴٦ ـ ۳۴۷.

اُن توقف کرنے والوں میں سے امام احمد بن حنبل بھی ہے اس لئے کہ اس نے امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں نقل کیا ہے! کہ جب امام مالک رحمہ اللہ کسی حدیث میں تفرد اختیار کرے، تو وہ ثقہ شمار ہوگا (یعنی امام مالک رحمہ اللہ کی زیادت مقبول ہوگی) لیکن جب امام مالک رحمہ اللہ نے صدقہ فطر کی حدیث میں (**من المسلمين**) لفظ کا زیادت کرتے ہوئے تفرد اختیار کیا تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا! میں اس سے ڈرتا تھا (یعنی میرا جی اسکو قبول نہیں کرتا تھا) حتی کہ یہ زیادت میں نے عمرین کی حدیث میں بھی پایا، لیکن پھر بھی امام احمد رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ کی زیادت پر مطمئن نہیں ہوا[1].

صدقہ فطر کی حدیث یہ ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر آزاد غلام مرد و عورت سب پر فرض کیا ہے بشرطیکہ مسلمان ہوں.

تو امام مالک رحمہ اللہ نے (**من المسلمين**) لفظ کو ذکر کیا ہے، لیکن معتمد راویوں نے ذکر نہیں کیا ہے.

اور توقف کرنے والوں میں سے ابن رجب حنبلی بھی ہے وہ فرماتے ہیں! کہ متقدمین حفاظ حدیث نے یہ قانون وضع کیا تھا کہ جب کوئی راوی بغیر کسی متابعت سے حدیث میں زیادت کرتا، تو وہ اس حدیث کی ضعیف ہونے کی وجہ شمار ہوتی تھی، ہاں اگر وہ محدث جس کا شہرت ہو اور بہت سے احادیث بھی اسکو یاد ہو اور عادل بھی ہو جیسے (زہری) تو اس کا تفرد مقبول ہوگا[2].

اسی طرح ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب (النکت علی کتاب ابن الصلاح) میں فرمایا ہے.

اور حسن نے ثقہ راوی کی زیادت کو مطلّقا مقبول کہا ہے وہ استدلال کرتے ہیں کہ جو راوی ثقہ ہو اور حدیث میں تفرد اختیار کیا ہو تو وہ مقبول ہوتا ہے، تو زیادت بھی مقبول ہوگی.

لیکن یہ دلیل مردود ہے، اسلئے کہ ہر وہ حدیث جس میں ثقہ راوی نے تفرد اختیار کیا ہو وہ قبول ہوگا، شاذ کی بحث میں یہ مسئلہ گذر چکا ہے.

---

(١) شرح علل الترمذي لابن حجر ص: ٢٦٤.

(٢) النكت على كتاب ابن الصلاح،
لابن حجر العسقلاني: ٢/ ٦٩٠ ـ ٦٩١.

حدیث میں اصل کے اعتبار سے تفرد کرنا اور زیادت کے اعتبار سے تفرد کرنا دونوں میں فرق ظاہر ہے، اسلئے کہ کسی کا حدیث میں تفرد کرنا اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ اِنکے علاوہ اور ثقہ راویوں نے غلطی یا غفلت کی ہو کیونکہ متفرد راوی اور ثقہ راویوں کے درمیان مخالفت نہیں، ہاں اگر زیادت پر کسی نے تفرد کیا ہو اور انکے علاوہ کسی اور راویوں نے (جو عدالت اور حافظے دونوں اعتبار سے مضبوط ہو) تفرد نہیں کیا ہو تو ترجیح انکی روایت کو ہوگی اس لئے کہ ظنِ غالب یہ ہے کہ شاید تفرد کرنے والے نے غلطی کی ہو، نہ کہ ثقہ راویوں نے، اور اسکی بناء ظنِ غالب پر ہے (یعنی کسی روایت اور زیادت کو ترجیح دینا علمِ ظنی ہے).

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا! کہ جب کوئی ثقہ راوی کسی زیادت پر تفرد کرکے ذکر کیا کرے اور ثقہ راویوں میں سے کسی نے بھی ذکر نہ کیا ہو تو محدثین کے ہاں یہ قابلِ قبول نہیں(۱).

اسکی وجہ یہ بیان کی گئ ہے:

کہ جب محدثین اس زیادت کو ترک کردیں، تو یہ اسکی ضعف کی دلیل ہے، اور یہ ایک قسم ثقہ راویوں اور تفرد کرنے والوں کے درمیان معارضہ بھی ہے،(۲) کہ محدثین حفاظ اسکو ذکر نہیں کرتے اور صرف ایک راوی ذکر کرتا ہے.

اور امام زرکشی رحمہ اللہ نے زیادتِ ثقہ کو غیر مقبول کہنا احناف کی طرف منسوب کیا ہے (یعنی احناف کا مسلک قرار دیا ہے)(۳).

چوتھی بات: وہ علماء جو ثقہ کی زیادت کو قبول کرتے ہیں، توان کی رائے کی بناء پر محمد بن قدامہ رحمہ اللہ کی روایت سارے مطلق روایات کو مقید بنائے گا، اور یہ مطلق کو مقید پر حمل کرنے کی زمرے میں آجائے گا.

توجواب یہ ہے!

---

(۱) الكفاية في علم الرواية، ص: ۴۶۵.

(۲) الكفاية، ص: ۴۶۵.

(۳) البحر المحيط: ۴/ ۳۳۲.

کہ حدیث ابن قدامہ سے مطلق مقید نہیں ہو تا، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے صرف وہ روایت سنی ہے جس میں دائیں ہاتھ سے تسبیحات کرنے کا تذکرہ ہے.

اور ثقہ راویوں نے مطلقِ حدیث سنی ہے، تو ترجیح ان ثقہ راویوں کی روایت کو ہوگی فرد کی روایت پر، مطلقِ روایت کی ترجیح کے باوجود بھی دونوں پر عمل کرنا ممکن ہے جیسا کہ (ارشاد الفحول) میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ مطلق کو مقید پر حمل کرنے کیلئے بہت سے شرائط ہیں، لیکن ان میں سے یہ بھی ہے کہ دونوں میں جمع ممکن نہ ہو (یعنی ایک کو دوسرے پر حمل کرنے سے) تو معنٰی یہ ہوا کہ اگر بغیر حمل کرنے کے دونوں میں تطبیق ممکن ہو تو یہ بہتر ہے[١].

تو جس نے صرف دائیں ہاتھ کو تسبیح میں استعمال کیا (یعنی دائیں ہاتھ پر تسبیحات گنے) تو صحیح ہے ابن قدامہ رحمہ اللہ کی روایت کی وجہ سے، اور جس نے دونوں ہاتھوں کو تسبیح پڑھنے میں استعمال کئے تو یہ بھی جائز ہے مطلقِ احادیث کی رو سے، جو کہ راجح بھی ہے.

اس مسئلے سے مسلمانوں کے درمیان اختلاف برپا کرنا مناسب نہیں، اس لئے کہ دین میں آسانی ہے نہ کہ سختی.

سعودی کے علماء کرام نے فرمایا! کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں تسبیحات میں استعمال کرنا افضل ہے اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بھی استعمال کر سکتے ہیں، جیسا کہ (یسیرۃ) کی حدیث میں گذر چکا ہے[٢].

شیخ محمد المنجد نے اسکا جواب (موقع الاسلام سؤال وجواب) میں یہ دیا ہے! کہ یہ اختلاف افضلیت اور استحباب کے دائرے میں ہے نہ کہ اختلاف اور معصیت کے دائرے میں، تو کسی قسم کی تشدید کی ضرورت نہیں، اسلئے کہ (انامل) لفظ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو شامل ہے.

---

(١) إرشاد الفحول: ٢٤٩.

(٢) موقع الإسلام سؤال وجواب.

دکتور شوقی علام مفتی مصر نے حدیث (يسيرة) (**اعقدن بالانامل إلخ**) کے بارے میں فرمایا! کہ جتنی کثرت سے اعضاء کے استعمال عبادت میں کی جائیں، تو یہ احسن واعلی ہے اسلئے کہ قیامت کے دن وہ گواہی دیں گے[١].

(یعنی اعضاء عبادات میں بکثرت استعمال کرنے چاہئے تاکہ قیامت کے دن گواہی کریں)

عنوان نمبر ۵: باجماعت نماز میں سلام کے بعد نمازی کا جلدی سے اٹھنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی حضرات بغیر تسبیحات پڑھ کے سلام کے بعد جلدی سے اٹھتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

ضرورت کی وجہ سے جلدی کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن بغیر ضرورت کے جلدی کرنا مناسب نہیں، بلکہ اپنے اذکارِ مسنونہ پورا کرکے اطمینان سے اٹھنا چاہئے.

عنوان نمبر ٦: باجماعت نماز کے وقت ناک کی گندگی یا چھینک آنا:

عام صورتحال:

کبھی باجماعت نماز میں انسان کو بلاارادہ چھینک آتا ہے اور مرض یا غیر مرض کی وجہ سے ناک کی گندگی خارج ہوتی ہے.

وعظ اور نصیحت:

جو شخص ناک کی گندگی میں مبتلا ہو، یا اسکو زکام ہو اور دوسروں کو منتقل ہونے کا خدشہ ہو، تو اسکو چاہئے کہ وہ نمازیوں سے دور بیٹھ جائے (یعنی آخری صف میں) اگر مرض زیادہ متعدی ہو تو پھر بالکل مسجد ہی نہ آئے، جیسا کہ ابھی قریب میں گذری ہوئی وباء (کووڈ ۱۹) کرونا وائرس جو سارے عالم میں 2019 سے 2021 تک دائم رہی. جب

---

(١) موقع الجريدة الكويتية.

کسی نمازی کو چھینک آنے لگے تو اسکو چاہئے کہ اپنے ناک اومنہ کو کپڑے سے ڈھانپے، تاکہ آواز تیزی سے نہ نکلے اور ناک مُنہ سے ایسی گندگی بھی نہ نکلے جس سے نمازیوں کو تکلیف ہو.

اس لئے کہ چھینک کی آواز اور گندگی سے نمازی تنگ ہوتے ہیں، اور نفرت کرتے ہیں.

اور اس میں لوگوں کو تکلیف دینا ہے، حالانکہ مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کسی کو تکلیف نہ دے اسی طرح اگر کسی کو ناک صاف کرنے کی ضرورت پیش آئے، تو وہ مسجد سے باہر جا کر ناک کو صاف کرے، اگر نماز میں ہو تو خفیہ طریقے سے ناک صاف کیا کرے تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو.

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے! کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تھی، تو وہ اپنے منہ اور ناک کو ہاتھ یا کسی کپڑے سے ڈھانپتے تھے تاکہ آواز آہستہ ہو جائے[1].

(وغض صوته) کامعنٰی: آواز کو آہستہ کیا کرتے تھے.

امام حاکم رحمہ اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتیں ہے! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی چھینکے تو اپنے ہاتھوں کو مُنہ پر رکھ کر چھینکے تاکہ آواز آہستہ ہو جائے[2].

ابن عربی رحمہ اللہ نے فرمایا! چھینک میں آواز اس لئے آہستہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ اس سے اعضاء کو تکلیف ہوتی ہے، اور چہرے کو ڈھانپنے میں حکمت یہ ہے کہ اگر کوئی چیز ناک وغیرہ سے نکل جائے تو اس سے کسی کو تکلیف نہ ہوگا[3].

اگر زکام والے کا مرض ایسا ہو کہ دوسروں کو منتقل ہوتا ہو یا اس سے لوگ تنگ آتے ہوں تو وہ شخص باجماعت نماز میں شریک نہ ہو، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لہسن اور پیاز کھانے والوں کو مسجد میں آنے سے منع کیا تاکہ لوگوں کو ضرر نہ ہو تو ہر وہ چیز جس میں لوگوں کو ضرر ہو اس پر قیاس کی جائے گی.

---

(١) رواه الترمذي وأبو داؤد.

(٢) موقع (ملتقى أهل الحديث).

(٣) فتح الباري: ١٠/ ٦٠.

ابن عبد البر رحمہ اللہ نے فرمایا! کہ جب مسجد سے نکالنے کی علت لوگوں کو تکلیف دینا ہے جو لہسن اور پیاز کھانے والوں میں بھی موجود ہے تو ہر وہ چیز یا شخص جس سے نمازیوں کو تکلیف ہو تو اسکو مسجد سے دور رکھنا چاہئے، اس وقت تک کہ بدبو اس سے زائل ہو جائے، جیسے: جذام مرض والا، زکام والا، گندہ کام کرنے والا وغیرہ وغیرہ سب کو مسجد سے نکالنا جائز ہے[1].

تو وہ شخص جسکو زکام ہے بہتر یہ ہے کہ وہ مسجد نہ آجائے گھر میں نماز اداء کرے.

عنوان نمبر۷: مسجد میں فضول باتیں کرنا:

عام صورتحال:

(۱) بعض نمازیوں کی عادت بنی ہوئی ہے کہ وہ نماز سے پہلے یا بعد میں فضول باتیں کرنے کیلئے حلقے بناتے ہیں، بعض اوقات مسجد سے باہر ہوتے ہیں، لیکن مسجد کے دروازے کے بالکل قریب ہوتے ہیں جس سے نمازیوں کو تشویش ہوتی ہے اور خاص کر یہ حلقے جمعہ کی نماز کے بعد ہوتے ہیں.

(۲) کبھی دو شخصوں کے درمیان طویل مدت کے بعد ملاقات ہوتی ہے، تو وہ ایک دوسرے پر سلام کہہ کر نمازیوں کو تشویش میں ڈالتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

مسجد میں دینی باتیں کرنا ممنوع نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو.

اور جو مندرجہ بالا صورتیں ہیں تو وہ ناجائز ہیں اسلئے کہ اس میں نمازیوں کو تشویش میں ڈالنا ہے.

تلاوت کی وجہ سے نمازیوں کو تشویش میں ڈالنا منع ہے، تو عام باتوں کی کیا حال ہوگی اس سے تو ضرور پرہیز کرنی چاہئے.

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کے ذریعے نمازی کو تشویش میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے.

---

(۱) التمهيد: ٦٠/ ٤٢٢.

التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد ابن عبد البر عن ستار عواد، ط ١٤٣٩هـ ـ ٢٠١٨م.

(بعض تم میں سے بعض پر تلاوت یا نماز میں آواز کو اُونچامت کیا کرو)[1].

جب نمازی یا تلاوت کرنے والے کو جائز نہیں کہ وہ نمازیوں کو تشویش میں ڈالے تو عام فضول باتیں کرنے والوں کا کیا حال ہوگا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام حاکم نے نقل کیا ہے اس نے فرمایا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں لوگ مسجد میں بیٹھ کر حلقے بنائیں گے اور انکا مقصد صرف دنیا ہی ہوگا، اللہ جل جلالہ کو ان لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں پس ان کے ساتھ مت بیٹھو[2].

بخاری میں سائب بن یزید سے منقول ہے! وہ فرماتے ہیں! کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی شخص نے مجھے پتھر سے مارا، تو میں نے دیکھا اچانک وہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے فرمایا! جاؤ، ان دونوں کو میرے پاس لاؤ تو میں ان دونوں کو لے آیا، عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا، تم کون ہو؟ دونوں نے کہا! ہم طائف سے ہیں، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! کہ اگر تم ان شہر والوں میں سے ہوتے تو میں تم کو سزا دے دیتا، آپ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں بلند آوازی کرتے ہو[3].

عنوان نمبر ۸: مسبوق کا اپنا نماز پوری کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی اپنے نمازوں کو امام کے پہلے سلام کے بعد فوراً پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں (یعنی جب امام پہلا سلام پھیرلے تو فوراً اٹھتے ہیں نماز پوری کرنے کیلئے).

وعظ اور نصیحت:

نمازی کو پہلے سلام کے بعد اپنی نماز پوری کرنے کیلئے فوراً نہیں اٹھنا چاہیئے، بلکہ انتظار کرے تاکہ امام دوسرا سلام پھیرے تو پھر اٹھ کر نماز کو پوری کرنی چاہیئے، اسلئے کہ کبھی امام سجدہ سہوہ کرتا ہے اور مقتدی پر

---

(۱) أبو داؤد: ۱۳۳۲.

(۲) حديث صحيح، المستدرك: ۴/ ۳۵۹.

(۳) البخاري: ۴۷۰.

اتباع لازم ہے تو دوسرے سلام کا انتظار کرنا ضروری ہے، اور کبھی امام بعض فقہاء کی رائے پر عمل کرتے ہوئے پہلے سلام کے بعد سجدہ سہوہ کرتا ہے، تو اپنی نماز دوسرے سلام کے بعد فوراً پوری کرنی چاہیئے.

عنوان نمبر۹: سنتِ مؤکدہ کی قضاء کرنا:

عام صورتحال:

بعض سنن سنتِ مؤکدہ ہے جیسے ظہر سے پہلی اور بعد والی سنتیں، اسی طرح فجر سے پہلی والی سنت اور وتر (بعض علماء کرام کے نزدیک) اور تراویح وغیرہ، تو بعض نمازیوں کا خیال یہ ہے کہ جب یہ اپنے اوقات میں اداء نہ ہوسکے تو اسکی کوئی قضاء نہیں.

وعظ اور نصیحت:

جب یہ اپنی اوقات میں اداء نہ کی جائیں تو اسکی قضاء لازمی ہے.

شیخ محمد منجد نے فرمایا! کہ سنتِ مؤکدہ کی قضاء (جب کسی عذر جیسے: نیند یا بھول جانے سے یا اس کا وقت کسی کام میں مشغول ہونے سے گذر جائے) واجب ہے، اگرچہ اوقاتِ مکروہ میں کیوں نہ ہو راجح قول کی بناء پر، یہ اس لئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ (1233) اور امام مسلم رحمہ اللہ (834) نے ام سلمہ سے نقل کیا ہے! کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھی، تو میں نے اسکے بارے میں پوچھا، تو فرمایا! کہ یہ ظہر نماز کی بعد والی دو رکعت سنت ہے میرے پاس عبدالقیس قبیلے کے کچھ لوگ آئیں تھے اور مجھ کو انہوں نے مشغول کیا تھا، تو یہ وہ دو رکعت ہیں.

اور اس روایت کی وجہ سے جو ابن ماجہ رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے قیس بن عمرو سے انہوں نے فرمایا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ فجر کی نماز کے بعد دو رکعت پڑھ رہا تھا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کیا فجر کی نماز دو مرتبہ پڑھتے ہو، اس شخص نے فرمایا میں نے دو رکعت سنت نہیں پڑھی تھی، تو ابھی میں نے پڑھی راوی نے فرمایا! کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت کیا اور کچھ نہیں فرمایا اس حدیث کی تصحیح امام البانی نے کی ہے، ابن ماجہ (1154)، صحیح ابن ماجہ (948).

اور وہ روایت جسکو عائشہ رضی اللہ عنہا نے نقل کیا ہے! کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہر کی چار رکعت سنت رہ جاتی تھی، تو پھر اسکی قضاء نماز کے بعد کرتے تھے، ترمذی (426)، صحیح البانی.

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا! کہ ہمارے نزدیک صحیح مذہب سنتِ مؤکدہ کی قضاء کرنے کا ہے، یہ قول امام محمد اور مزنی کا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت ہے ، امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام ابو یوسف رحمھم اللہ کی مشہور روایت یہ ہے کہ اسکی قضاء نہیں، لیکن ہماری دلائل یہ احادیث صحیحہ ہیں (المجموع 4ک/43).

امام مرداوی حنبلی رحمہ اللہ نے فرمایا! کہ یہ قول (یعنی جس سے سنتِ مؤکدہ رہ جائے تو اس کی قضاء کیا کرے یہ امام احمد رحمہ اللہ اور اصحاب الظواہر کی رائی ہے (الانصاف :/187/2).

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا!

السؤال: اگر کسی سے ظہر کی دو رکعت رہ جائے تو کیا وہ عصر کے بعد قضاء کریگا یا نہیں؟

الجواب: اسمیں دو روایت ہیں:

پہلی روایت: جو امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا مذہب ہیں وہ یہ کہ قضاء نہ کیا کرے.

دوسری روایت: جو امام شافعی کا قول ہے وہ یہ کہ قضاء کرے یہ قول اقویٰ اور راجح ہے (المجموع:23/ 127).

ائمہ حضرات اور خطباء کیلئے نصیحتیں

تمہید: میں ان نصائح سے ائمہ اور خطباء حضرات کو سکھانے کا ارادہ رکھتا ہوں، کیونکہ وہ یہ سب جانتے ہیں، لیکن باری تعالی کے اس فرمان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے: **(وذكر فإن الذكرى تنفع المؤمنين)** (الذاریات: 55) **ترجمہ:** (نصیحت کرو بیشک یہ کامل مؤمنوں کو فائدہ دیتی ہے).

کچھ نصائح ذکر کرتا ہوں:

اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ کا فرمان کو پیش نظر رکھتے ہوئے (کہ دین سراسر خیر خواہی ہے، تو ہم نے عرض کیا کہ کس کیلئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تو فرمایا! کہ اللہ جل جلالہ کیلئے، رسول کیلئے، کتاب کیلئے اور حکّام حضرات کیلئے اسی طرح عام مسلمانوں کیلئے) (رواہ مسلم).

ائمۃ المسلمین: یا تو اس سے مراد طبقہ بالا ہے جو فیصلوں وغیرہ کی ذمہ داریاں اٹھاتیں ہیں.

اور یا نماز کے ائمہ حضرات مراد ہے، اس لئے کہ یہ حضرات نماز کی ذمہ داریاں اٹھاتیں ہیں.

صحابہ کرام اور سلفِ صالحین بعض بعضوں کو نصیحت کیا کرتے تھیں، کیونکہ غفلت اور نسیان سے انسان خالی نہیں، تو امید ہے کہ یہ نصیحتیں آپ خوشی کیساتھ قبول فرمائیں گے، اس میں تمام حضرات کیلئے خیر ہوگی (واللہ الموفق).

کچھ اہم باتیں جو ائمہ حضرات اور خطباء کیلئے پڑھنا ضروری ہے:

پہلی بات: کسی قسم کی نصیحت سے روگردانی نہیں کرنی چاہیے.

(1) ہر امام کا خاص انداز ہوتا ہے نماز، اذکار اور ادعیہ وغیرہ میں، لیکن کمزور (مقتدی) کا لحاظ رکھنا ضروری ہے.

(2) یہ نصائح عام ہیں سب کو شامل ہے، چاہے وہ مسجد کا امام ہو یا غیر مسجد کا، معین ہو یا غیر معین.

(3) پہلے جو نماز کے بارے میں نصیحتیں تھیں وہ پڑھنی ضروری ہے اسلئے کہ اسمیں ائمہ حضرات کیلئے بھی بہت سے نصائح ذکر ہیں.

(4) بعض ائمہ یہ کہتے ہیں کہ نمازی حضرات کیوں مجھے اس نصائح کی ترغیب نہیں دیتے.

جواب: بعض مقتدی امام سے ڈر جاتے ہیں اور حیاء کی وجہ سے وہ امام صاحب کو اِن نصائح کی ترغیب نہیں کر سکتیں، علاوہ ازیں میں نے ایک امام صاحب کو دیکھا جو وعدہ کرکے پھر بھی ان نصائح کو عمل میں نہیں لائے (یعنی کہا کہ میں اس پر عمل کرونگا، لیکن پھر بھی نہیں کیا).

(5) لوگوں کو نفرت میں ڈالنے کی ذمہ داری امام اور خطیب ہی کو برداشت کرنی پڑتی ہے، خاص کر نوجوان طبقہ جو لوگوں کو بھگاتے ہیں اس لئے یہ نصائح انکے عملی زندگی میں نہیں ہوتی.

(6) بعض ائمہ حضرات دلائل ونصوص کا فہم اپنے ذہن کے مطابق کرکے لوگوں پر نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ نصوص کی تفہیم (لغوی، شرعی اور شانِ ورود کے اعتبار سے کرنی چاہیئے).

(7) کبھی ایک مسئلے میں بہت سے رائیں ہوتی ہیں، امام صرف ایک کو پسند کرکے لوگوں کو اس پر عمل کرنے پر مجبور کرتا ہے.

(8) کبھی نمازی حضرات ائمہ کو نماز کے متعلق ہدایات بیان کرتے ہیں کہ نماز کو لمبی کرو یا تلاوت کو لمبی کرو وغیرہ وغیرہ، تو امام کو سنت کی اتباع کرنی چاہیئے نہ کہ لوگوں کی سنی سنائی باتوں کی.

وعظ اور نصیحت:

امامت اور خطابت ایک روحانی اور دینی ذمہ داری ہے نہ کہ صرف رسمی یا دنیوی ذمہ داری، تو میں امید رکھتا ہوں کہ خطباء حضرات اور ائمہ اسکو اسی دینی اور روحانی ذمہ داری کی نظر سے دیکھیں.

دوسری طرف امام اور خطیب مسجد کے ستون کے مانند ہوتا ہے تو اُن کو سارے لوگوں کی رعایت کرنی لازمی ہے.

پہلے زمانے کے ائمہ کرام بغیر کسی تنخواہ سے امامت وخطابت سرانجام دیتے تھیں، لیکن جب سے ہمتیں کمزور ہوگئیں، تو لوگوں نے اسکو ایک رسمی کام بنایا ہوا ہے.

جس نے امامت پر بیت المال سے تنخواہ لینے کو جائز قرار دیا ہے تو وہ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ ہیں، یہ حضرات اسکی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ اُجرت نہیں، بلکہ نیکی میں مدد کرنا ہے، مسلمانوں کو امامت کی

ضرورت ہے اگر کوئی تنخواہ مقرر نہ ہو جائے تو وہ امامت معطل ہو گی تو تنخواہ مقرر کرنا جائز ہے، اور خاص کر بیت المال سے، اس لئے کہ یہ عام مسلمانوں کی مصلحتوں کیلئے مقرر کیا گیا ہے[۱].

اور امامت بھی ایک عام مصلحت ہے ابن باز رحمہ اللہ نے ایک سؤال کے جواب میں فرمایا! کہ بیت المال سے یا وزارۃِ اوقاف سے کسی نیک کام (امامت، خطابت) پر عوض لینا اگر وہ معاوضہ اس نیک عمل کو (دائم رکھنے کا) سبب ہو تو جائز ہے، تو اے سوال کرنے والے! آپ کا تنخواہ لینا اجر میں کمی کیلئے مانع نہیں، بلکہ آپ کیلئے یہ اس کام میں ہمیشہ رہنے کا سبب اور ذریعہ ہے اگر آپ اس کو چھوڑ دے، تو رزق طلب کرنے کیلئے آپ نکلوگے تو امامت آپ سے رہ جائے گی[۲].

اصل تو یہ ہے کہ امامت، خطابت اور آذان بغیر کسی تنخواہ سے سرانجام دی جائے، لیکن تنخواہ لینا جائز ہے اُن اسباب کی وجہ سے جو میں نے ذکر کیئے، لیکن ان کاموں میں امام یا خطیب کی نظر آخرت پر ہونی چاہئے تاکہ دنیا اور آخرت دونوں کا فائدہ حاصل کرسکے، اس لئے کہ اعمال کی دار مدار نیت پر ہے۔

عنوان نمبر۱: نماز اور خطبہ کو لمبا کرنا:

عام صورتحال:

بعض ائمہ تمام ارکان کو زیادہ لمبا کرتے ہیں، اور بعض آخری تشہد کو صرف لمبا کرتے ہیں، اور بعض خطباء حضرات خطبہ کو زیادہ لمبا کردیتے ہیں۔

وعظ اور نصیحت:

یہ لمبائی یا تو قرات میں ہو گی یا رکوع اور یا سجدے کی تسبیحات میں یا ارکان کو اطمینان کیساتھ اداء کرنے میں، نماز کو اتنی زیادہ لمبی کرنا کہ وہ لوگوں کی نفرت کا سبب بن جائے اور لوگ مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دے، تو یہ جائز نہیں جیسے کہ بعض نوجوانوں سے میں نے سنا ہے کہ ہم اس لئے مسجد نہیں جاتے کہ یہ امام قرات میں زیادہ طول کرتا ہے، کبھی امام قرات میں ایک معین مقدار مقرر کرتا ہے اور وہ آیات اپنے

---

(۱) موقع (الدرر السنية).

(۲) موقع (الإمام ابن باز)

درمیان معنی کے اعتبار سے ربط رکھتے ہیں، تو وہ اس کو پڑھنا شروع کرکے قرات میں طول محسوس کرتا ہے، تو وہ ان آیات کو مکمل کرنے کیلئے اس میں جلدی کرنے لگتا ہے جس کیوجہ سے پھر وہ تجوید کے قواعد کا خیال نہیں رکھ پاتا.

امام کو سب لوگوں کا لحاظ کرنا چاہیئے، ہاں اگر اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو پھر جتنے اذکار اور دعائیں پڑھے تو کوئی بات نہیں، لیکن (باجماعت نماز میں جواز کی حد پر اکتفاء کرنا چاہیئے).

امام کا قرات کو زیادہ لمبی کرنا (جس سے نمازی حضرات تنگ ہوتے ہوں) حرمت اور کراہت کے درمیان دائر ہے (یعنی بعض علماء نے حرام اور بعض علماء نے مکروہ کہا ہے) ابھی میں وہ دلائل ذکر کرتا ہوں جو حرمت پر دلالت کرتے ہیں اور اپنے ائمہ بھائیوں کو نصیحت کرتا ہوں، عجیب بات یہ ہے کہ بعض نمازی جھری نمازوں میں بہت لمبی قرات کرتے ہیں، اور خفیاں نماز یا اکیلئے نماز پڑھتے ہوئے جلد بازی کرتے ہیں.

سیدنا جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز اداء کرتے، پھر آکر اپنی قوم کی امامت فرماتے تھے، ایک رات انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عشاء کی نماز اداء کی، پھر اپنی قوم کو آکر یہی نماز پڑھائی اور سورۃ البقرۃ کی قرات شروع کردی، ایک آدمی نے مڑکر سلام پھیرا اور اکیلے اپنی نماز اداء کرکے لوٹ گیا، دوسرے صحابہ نے اسے کہا: کیا تو منافق ہوگیا ہے؟ اس نے جوابا کہا: اللہ کی قسم ایسا نہیں ہے، میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر آپ کو یہ بات بتاؤں گا، چنانچہ اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوکر عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم سارا دن اونٹوں کے ذریعے کھیتوں کو پانی دیتے ہیں، معاذ نے آپ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، پھر آکر ہمارے پاس سورۂ بقرہ شروع کردی! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: اے معاذ! کیا تو دین سے متنفر کرتا ہے؟ تو فلاں فلاں سورت پڑھا کر.[1]

(۱) متفق علیہ.

سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہے! کہ میں نے عمرو رضی اللہ عنہ کو کہا کہ ابوزبیر نے جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا! کہ اگر سورۃ الشمس، سورۃ الضحی یا سورۃ اللیل یا سورۃ الاعلی پڑھے تو کیا یہ صحیح ہوگا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، ہاں یہ اور اس جیسے[1].

حضرت ابن مسعور رضی اللہ عنہ سے روایت ہے! کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں صبح کی نماز جماعت کے ساتھ فلاں امام کی وجہ سے نہیں پڑھتا کیونکہ وہ بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں، انہوں نے کہا کہ اس دن اس امام صاحب کو نصیحت کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے جتنا غصہ میں دیکھا ایسا میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا تھا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگوں! تم میں سے کچھ لوگ (نماز باجماعت پڑھنے سے) لوگوں کو دور کرنے والے ہیں، پس جو شخص بھی لوگوں کو نماز پڑھائے، مختصر پڑھائے، کیونکہ نمازیوں میں کوئی بیمار ہوتا ہے، کوئی بوڑھا اور کوئی ضرورت مند.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جب کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے تخفیف کرنا چاہئے، کیوں کہ مقتدیوں میں کمزور اور بیمار اور بوڑھے سب ہی ہوتے ہیں، اور جب تم میں سے کوئی اپنی نماز پڑھے تو جس قدر چاہے طول دے.

اس کے بارے میں احادیث زیادہ ہیں:

مندرجہ ذیل احادیث کی رو سے نماز کو لمبی کرنے کی حرمت پر استدلال:

(1) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں **(فليتجوز)** ہے جس کا معنی تخفیف ہے، اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں **(فليخفف)** ہے اور دونوں امر کے صیغے ہیں، اور امر جب مطلق ہوتا ہے تو وجوب پر دلالت کرتا ہے، اور واجب کو ترک کرنا حرام ہے.

(2) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہے **(فما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في موعظة أشد غضبا منه يومئذ)** یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ غصے میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ نہیں فرماتے تھے، مگر حرام کام کے ارتکاب پر.

(3) حدیثِ معاذ میں (**أفتان أنت؟**) ذکر ہے یعنی لوگوں کو نماز سے منع کرکے فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ کی روایت میں (**إن منکم منفرین**) کلمات ذکر ہیں.

اور لوگوں کو متنفر کرنا یا نماز سے منع کرنا حرام ہے.

وہ حضرات جو نماز میں زیادہ طول کرنے کو مکروہ کہتے ہیں وہ (اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مغرب کی پہلی دو رکعت میں سورۃ الاعراف پڑھنا منقول ہے، اسی طرح سورۃ الطور پڑھنا بھی منقول ہے) تو یہ حضرات اِن احادیث کو کراہت پر حمل کرتے ہیں نہ کہ حرمت پر.

راجح قول یہ ہے کہ جو لمبی قرات نمازیوں کو مشقت میں ڈالتی ہے تو وہ حرام ہے، اور وہ احادیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طولِ قرات منقول ہے تو وہ مندرجہ ذیل تاویلات پر حمل ہوں گی.

(1) یہ طولِ قرات جواز کو بیان کرنے کیلئے تھا کہ قرات کو لمبی کرنا جائز ہے جب امام کے پیچھے معذور یا ضرورتمند نہ ہو، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عادتِ مستمرہ تخفیف کی تھی.

(2) بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی خواہش اور رغبت پر طولِ قرات کیا کرتے تھے، اور جب مقتدی راضی ہو تو طول جائز ہے.

امام صاحب کو ایک بات کی طرف توجہ کرانا مناسب سمجھتا ہوں وہ یہ کہ لوگوں کے حالات بہت زیادہ بدل ہو چکے ہیں، اور آج کل کا زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانے سے بالکل مختلف ہے، کیونکہ آج کل مشکلات اور مصائب بہت زیادہ ہیں تو ان مشکلات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نماز میں تخفیف کرنی بہتر ہے.

اس لئے فقہاء نے فرمایا! کہ زیادہ لمبی قرات کرنی جائز نہیں، ہاں اگر مقتدی حضرات راضی ہوجائیں تو کوئی حرج نہیں، لیکن ممکن ہے کہ کوئی اجنبی شخص ان کے ساتھ شریک ہوجائے اور وہ جلدی میں ہو، تو مختصر پڑھنی مناسب ہے[۱].

بعض ائمہ حضرات رکوع اور سجدے میں تسبیحات کو زیادہ طول دیتے ہیں، حتیٰ کہ پندرہ دفعہ تسبیحات پڑھتے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں، جیساکہ پہلے ہم نے بیان کیاکہ طول دینا صحیح نہیں، اور بعض ائمہ کبھی زیادہ پڑھتے ہیں اور کبھی کم، یہ بھی مسئلہ نمبر(35) **(تساوي عدد التسبيحات في الركوع والسجود)** کے ذیل میں گذر چکاہے، اور وہاں پر بخاری کی حدیث جو (براء بن عازب سے منقول ہے) میں نے ذکر کیا تھا، اس میں فرمایاتھا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سجدہ، رکوع اور جلسہ برابر ہوتا تھا[۱].

اور طول سے ممانعت سب کو شامل ہے خاص کر اس زمانے میں جو کہ مختلف قسم کے امراض عام عالم میں پھیل گئیں ہو، جیسے: (کووڈ19) یعنی کروناوائرس، تو مختصر نماز پڑھنی زیادہ مناسب ہے.
اور اس طرح کام کاج کے جگہوں میں بھی اختصار کرنالازمی ہے اس لئے کہ لوگوں کے اذہان مشغول ہوتے ہیں وہ جگہیں جس میں اختصار کرنا چاہئے:

(1) بازاروں میں نماز اختصار سے اداء کرنی چاہئے.
(2) اسی طرح ہسپتالوں میں بھی نماز کو مختصر کرنی چاہئے.
(3) تعلیمی اداروں کے مساجد میں اختصار کرنا ضروری ہے.
(4) وہ ادارے جو رسمی یا غیر رسمی ہو.
(5) عام راستوں کے مساجد میں اختصار ضروری ہے.

---

(۱) موقع (المسلم).
(۱) البخاري: ۸۰۱ ـ ۸۲۱.

(6) اگر کسی موقع پر لوگ اکٹھے ہو کر باجماعت نماز اداء کرنا چاہے تو اسمیں میں بھی اختصار کرنا لازمی ہے.

اسلئے کہ اِن جگہوں میں اکثر نمازی ضرور تمند ہوتے ہیں، تو اختصار ضروری ہے، اور بہت سے احادیث بھی ان جگہوں میں اختصار کرنے پر دلالت کرتی ہیں، یعنی ان جگہوں میں نماز کو مختصر پڑھنا چاہئے.

اے نوجوان خطیب وامام! اپنے پیچھے والوں کو دیکھ کر انکی رعایت کیا کرو، ان میں سے بعض عمر رسیدہ اور بیمار ہوتے ہیں، مختلف قسم کے بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں، مثلا: جوڑوں کا درد یا پیٹ اچانک جاری ہونے کا مرض، یا گیس کا مرض یا بیچپس کا مرض یا ایسی چیز پہننا (کسی مرض کی وجہ سے) جس سے اسکو تکلیف ہو (جسطرح کہ کرونا میں ماسک پہننا لازمی تھا) توان سب وجوہ کو مدِ نظر رکھ کر اختصار کرنا بہتر ہے.

دوسری بات: خطیب کا خطبہ زیادہ لمبا کرنا:

عام صورتحال:

بعض خطیب بہت لمبا خطبہ پڑھتے ہیں، اگرچہ اُس کی نیت صحیح ہوتی ہے، کہ لوگوں کو اچھے طریقے سے وعظ پہنچائے، لیکن لوگوں کو اس سے تکلیف ہوتی ہے.

وعظ اور نصیحت:

خطبہ میں بجائے طول کے اختصار افضل ہے، جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ مختصر کرنے کا حکم کیا ہے، اس لئے کہ خطبہ میں حکمت لوگوں کو وعظ کرنا ہے جب زیادہ لمبا ہو جائے تو حکمت فوت ہو جائیگی، اور لوگ تھک جائیں گے، تو خطیب کو اپنے سامعین کا خیال رکھنا چاہئے.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کہ نماز لمبی کرنا اور خطبہ مختصر کرنا انسان کی فقاہت پر دلالت کرتی ہے، تو نماز لمبی کرو اور خطبہ مختصر کرو بیشک بیانات (اثر میں) جادو جیسے ہوتے ہیں[۱].

اور (**أطيلوا الصلاة**) سے مراد وہ طول ہے جو مناسب ہو نہ کہ غیر مناسب جو پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے.

---

(۱) رواہ مسلم: ۸٦۹. (۲) مسلم: ۱۴۳۳.

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت کی وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز درمیانی تھی نہ زیادہ لمبی نہ بالکل مختصر۔

اور عمامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خطبہ مختصر کرنے کا حکم دیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ بہت مختصر اور کلماتِ طیبہ پر مشتمل ہوتا تھا۔

جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز اور خطبہ درمیانہ ہوتے تھیں، **قصدًا** کا معنٰی! کہ نہ زیادہ لمبا نہ بالکل مختصر[۲]۔

عنوان نمبر ۲: تلاوت میں ابتداء اور وقف کے اصولوں کی رعایت کرنا:

عام صورتحال:

بعض ائمہ حضرات ابتداء اور وقف میں بے اصولی کرتے ہیں جس سے معنٰی بھی بدل جاتا ہے۔

اسکی مثال یہ ہے! کہ بعض ائمہ حضرات سورۃ الاسراء کی آیت نمبر (82) پڑھتے ہوئے آخر میں وقف کرتے ہیں پھر دوبارہ (**ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين**) سے شروع کرتے ہیں، جس سے یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ (ما) نافیہ ہے حالانکہ یہ موصولہ ہے نہ کہ نافیہ۔

کبھی آیت کا کچھ حصہ پڑھ کر پھر وقف کرتے ہیں، پھر دوبارہ پہلے حصّے سے شروع کرتے ہیں جس سے التباس پیدا ہوتا ہے، اسکی مثال یہ ہے! (**فآمن له لوط**) پڑھ کر وقف کرتے ہیں، پھر دوبارہ (**فآمن له لوط**)**وقال إني مهاجر إلى ربي** .... وصل کیساتھ پڑھتے ہیں، تو ابھی اشتباہ یہ ہے کہ قائل لوط علیہ السلام ہوگا حالانکہ (**إني مهاجر**) کا قائل ابراہیم علیہ السلام ہے نہ کہ لوط علیہ السلام۔

اور کبھی اُس آیت سے ابتداء کرتے ہیں جو ماقبل کیساتھ مرتبط ہوتا ہے مثلا: (**إن الذين سبقت لهم منا الحسنى أولئك عنها مبعدون**) سے ابتداء کرتے ہیں، جس سے یہ فہم ہوتا ہے کہ جس کیلئے حسنٰی (جنت) کا فیصلہ ہوچکا ہے وہ جنت سے دور رکھے گئے ہیں حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ یہ (**انكم وما تعبدون ...**) سے پڑھنا چاہئے، تو ابھی (عنہا) کا ضمیر جہنم کی طرف راجع ہوگا، تو اب معنی یہ ہوگا کہ!

(بے شک وہ جن کیلئے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا، وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں).

میں ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا، تو اس نے **(وما أُنزل على إبراهيم)** پر وقف کیا پھر دوبارہ **(وما أنزل على إبراهيم)** سے شروع کیا تو اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ (ما) نافیہ ہے حالانکہ یہ بمعنی (الذی) موصولہ ہے اور ما نافیہ کی صورت میں معنٰی بدل جاتا ہے.

اسی طرح ایک امام نے **(الله يعلم ما تحمل كل أنثى وما تغيض الأرحام وما تزداد)**(رعد:8) میں **(وما تغيض الأرحام وما تزداد)** پر وقف کیا پھر دوبارہ **(وما تغيض الأرحام وما تزداد)** سے شروع کیا یہاں پر بھی (ما) نافیہ ہونے کا شبہ لازم آتا ہے جس سے معنٰی متغیر ہو جاتا ہے.

اس طرح (ما) نافیہ کا اشتباہ **(يعلم ما يلج في الأرض وما يخرج منها وما ينزل من السماء وما يعرج فيها)** پر وقف کرکے پھر دوبارہ **(وما يعرج فيها)** سے شروع کرنے میں بھی ہے.

تو اِن حضرات کو میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ تو اچھے مجوّد کیساتھ وقف اور ابتداء کے قواعد سیکھ یا مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ کرو:

(1) الوقف والابتداء في كتاب الله تعالى لمحمد بن سعدان الضرير، تحقيق: محمد خليل الزروق.

(2)منار الهدى في بيان الوقف والابتداء لأحمد بن محمد الأشموني، تحقيق: شريف أبي العلاء العدوي.

(3) المكتفى في الوقف والابتداء لأبي عمرو الداني، تحقيق: يوسف عبد الرحمن المرعشلي.

(4) القطع والائتناف لأبي جعفر النحاس، تحقيق: عبد الرحمن إبراهيم المطرودي.

(5) الوقف والابتداء دروس للدكتور أئمن سويد، على شبكة المعلومات.

عنوان نمبر ۳: امام اور خطیب کا مائیک کو منہ کے زیادہ قریب کرنا یا لاؤڈ سپیکر کو مسجد کے اندر آذان یا نماز کیلیئے استعمال کرنا:

عام صورتحال:

پہلی بات: بعض ائمہ حضرات مسجد کے اندرونی مائیک کو زیادہ تیز کرکے استعمال کرتے ہیں، اور اسکے ساتھ ساتھ منہ کو بھی مائیک کے قریب کرتے ہیں یہاں تک کے اُن کے ہونٹ مائیک سے بالکل پیوست ہوتے ہیں.

دوسری بات: میرے علم کے مطابق بعض مؤذنین مسجد کے اندرونی مائیک کو آذان کیلیئے استعمال کرتے ہیں.

امام کو چاہیئے کہ وہ مائیک کی آواز کو درمیانہ رکھا کرے اس لئے کہ مائیک سے غرض نمازیوں کو آواز پہنچانا ہوتا ہے، اور یہ آہستہ آواز سے بھی حاصل ہوتا ہے، تو مائیک سے تقریباً آدھا میٹر دور رہنا چاہیئے بالکل مائیک میں منہ داخل کرنے کی ضرورت نہیں.

کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تیز آواز کے ذریعے نمازیوں کو تکلیف پہنچتی ہے جس کیوجہ سے خشوع میں بھی خلل پیدا ہو جاتا ہے، اور جماعت میں مریض بھی ہوتے ہیں، جن کو تیز آواز سے تکلیف ہوتی ہے، خلاصہ یہ کہ ہر حالت میں تیز آوازی ایذاء سے خالی نہیں اور امام کا مائیک سے منہ لگانا اور آواز کو بلند کرنا، کلمات اور جملوں کے عدمِ فہم کا بھی سبب ہے، تو آواز کو زیادہ اونچا کرنا (جس سے لوگوں کو تکلیف ہو) حرام ہے اور اس طرح مائیک کو زیادہ قریب کرنا بھی صحیح نہیں.

(1) اللہ جل جلالہ فرماتے ہے کہ نماز میں میانہ روی اختیار کرو آواز کو نہ زیادہ اونچی کرو اور نہ زیادہ آہستہ کرو، بلکہ بلندی اور آہستگی کے درمیان کا راستہ تلاش کرو، (اسراء: ۱۱۰).

اور فرمایا! کہ اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی سے اور خوف سے اور بلند آواز کے بغیر الفاظ سے صبح وشام یاد کر اور غافلوں سے نہ ہو، (الأعراف).

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا! کہ اتنا جھر نہیں کرنا چاہیئے جس سے نمازیوں کو تکلیف ہو[1].

---

(۱) مجموع الفتاوى: ۲۳/ ۶۴.

(2) عبد الرزاق نے ابن جریج سے نقل کیا ہے! کہ انہوں نے عطاء رحمہ اللہ کو کہا! کہ کیا امام کو بلند آواز سے تلاوت کرنے کی اجازت ہے تو فرمایا! جی ہاں! حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مسجد میں بلند آواز سے تلاوت کیا کرتے تھے حتیٰ کہ تلاوت کی آواز کیلئے ایک گونج ہوتی تھی، تو پھر میں نے اُن سے پوچھا کہ کیا امام کو اتنا آواز نکالنا کہ صرف سامعین سن سکے کافی ہے تو فرمایا! یہی کافی ہے.

(المصنف / عبد الرزاق الصنعانی)، تحقیق: ایمن نصر الدین الأزہری: 2/ 267، رقم: 3870، دار الکتب العلمیۃ: بیروت.

اکثر وبیشتر اُونچی آواز سے قرات کرنے والے یا مائیک کو منہ سے زیادہ قریب کرنے والے یہ کہیں گے کہ مجھ پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا، تو میں کہتا ہوں! کہ مقتدی حضرات شرم وحیاء کی وجہ سے امام کو کچھ نہیں کہہ سکتیں، میں نے ایک نمازی سے سنا تھا جو مائیک کی بلند آوازی کے بارے میں کہتا تھا کہ (ہمارے سر پھٹ گئیں).

اور دوسرا مشہور مقولہ ہے ائمہ کے بارے میں کہ ائمہ حضرات اپنے آواز کو تکبرانہ انداز میں نکالتے ہیں، یعنی بتکلف اُونچی آواز نکالتے ہیں.

دوسری بات:

اور بعض بلند آوازی کو زیادہ پسند کرنے کی وجہ سے دیواروں پر زیادہ (لاؤڈ سپیکرز) لگاتے ہیں، میں ایک مسجد گیا، تو اچانک لاؤڈ سپیکرز کی طرف میری توجہ ہوئی شمار کئے تو سولہ یا اٹھارہ تک پہنچے اور دوسرے مسجد میں داخل ہوا تو بیس لاؤڈ سپیکرز میں نے دیکھے، اور عجیب بات یہ ہے کہ بعض مساجد میں قبلہ کی طرف امام یا خطیب کے قریب بھی لاؤڈ سپیکرز ہوتے ہیں جسکی کوئی ضرورت نہیں، اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ میں نے ایک مسجد کے امام کو دیکھا جس نے لاؤڈ سپیکر اپنے سامنے زمین پر رکھا تھا جہاں وہ نماز پڑھ رہا تھا، اور میں نہیں جانتا کہ اس کی وضاحت کیا تھی.

اور میں نے دیکھا ہے کہ بلند آوازی کو پسند کرنے والے کبھی امام کیلئے تین مائیک رکھتے ہیں، ایک کھڑے ہونے کی جگہ میں، ایک وسط میں اور ایک سجدے کی جگہ میں، تو جب وہ امام سجدہ کرنے کیلئے

جاتا ہے، تو سجدہ سے پہلے درمیان والے مائیک میں تکبیر کہنے کیلئے تھوڑا رُک جاتا ہے جو باقی مقتدیوں کے سجدے میں تاخیر ہونے کا سبب ہے.

تیسری بات:

بڑے مساجد کے علاوہ کوئی مسجد بھی (لاؤڈ سپیکرز) کے استعمال کو محتاج نہیں ہوتے، ہاں اگر نمازی زیادہ ہو تو الگ بات ہے، لیکن چھوٹے مساجد میں لاؤڈ سپیکرز کی ضرورت نہیں ہوتی.

اس پر دلیل:

کہ امام اپنی آواز کو دور تک پہنچا سکتا ہے مائیک کے بغیر.

ایک دفعہ میں ایک مسجد گیا تو (ٹرانسفارمر) جل گیا تھا اور امام کی آواز دور سے ہم سنتے تھیں تو اپنے ائمہ اور مؤذنین بھائیوں کو میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ بغیر ضرورت اندر والے لاؤڈ سپیکرز کو استعمال نہ کریں اسمیں بجلی کا استعمال ہے اور آواز کو ضرورت سے زیادہ نکالنا بھی ہے ہاں اگر ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں.

مائیک اور اپنے منہ کے درمیان آدھا میٹر فاصلہ رکھنا چاہیئے، میں نے ایک امام کو دیکھا کہ اس نے ایک میٹر فاصلہ رکھا تھا.

اب اگر یہ نصیحت کوئی قبول نہیں کرتا، تو وہ دو حالوں سے خالی نہیں! یا تو وہ حضرات ان لوگوں میں سے ہے جو نصیحت کو قبول نہیں کرتے یا وہ اپنی آواز کو تکبرانہ بنانا چاہتا ہے، یعنی اپنی آواز لوگوں کو سناتے ہیں فخرا وتکبرا.

عنوان نمبر ۴: بعض مقتدی حضرات نماز کے بعد امام کیساتھ ملتے ہیں اس حال میں کہ وہ بیٹھا ہوا ہوتا ہے.

عام صورتحال:

بعض نمازی نماز کے بعد امام کیساتھ مصافحہ کرنا پسند کرتے ہیں، اور وہ امام مصافحہ کرنے والے کیلئے نہیں اٹھتا، یا مرض کی وجہ سے یا پڑھاپے کیوجہ سے، لیکن اکثر لوگ اسلئے کھڑے نہیں ہوتے کہ اُنکا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ کسی کی تعظیم کیلئے کھڑا ہونا جائز نہیں، تو جو کھڑے ہونے کے عدم جواز کے قائل ہیں تو وہ

لوگ کسی بڑے مرتبے والے کی آمد پر کھڑے نہیں ہوتے، اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جس کو یہ پسند ہو کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہو جائیں اور بیٹھ جائیں تو اس نے جہنم میں اپنے لئے ٹھکانا بنایا.

وعظ اور نصیحت:

امام کو بیٹھ کر مصافحہ کرنا مناسب نہیں، اس لئے کہ مصافحے سے مطلوب احترام ہے اور وہ بیٹھ کر مصافحہ سے حاصل نہیں ہوتا اور یہ کھڑا ہونا ممنوع بھی نہیں اس لئے کہ عام نصوص (جس سے بڑے عمر والے اور بڑے مرتبے والے کے سامنے کھڑا ہونا ثابت ہے) اس پر بھی دلالت کرتی ہیں.

(1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو فرمایا تھا (جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ بنی قریظہ کی طرف سے حَکَم مقرر ہوگئے) کہ اپنے سردار کو کھڑے ہو جاؤ.

(2) طلحہ بن عبید اللہ کو جب کعب بن مالک (جو کہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے والوں میں سے تھے) آیا تو حضرت طلحہ نے کھڑے ہو کر ان کیساتھ مصافحہ کیا اور مبارکباد بھی دی کہ اللہ جل جلالہ نے آپ کا توبہ قبول فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی رد نہیں فرمائی.

(3) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اِن کیساتھ مصافحہ کرتے تھے اور چومتے تھے، اور فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی کھڑی ہوتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب انکے پاس آتے تھے،

(موقع الشیخ ابن باز رحمہ اللہ تعالی).

(4) جب امام بیٹھا ہوا ہو اور مقتدی مصافحہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ جھکنے کو محتاج ہوگا اور مخلوق کو جھکنا حرام اور ممنوع ہے.

(5) تو مذکورہ حدیث **(من سره أن يتمثل له الناس قياما فليتبوأ مقعده من النار)** سے کھڑے ہونے کی ممانعت پر استدلال کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ حدیث کسی کو تعظیما کھڑے ہونے

سے منع کرتی ہے، جسطرح وہ بڑوں کیساتھ کرتے ہیں ایسے اُن کے سر پر کھڑے ہوتے ہیں جیسے کوئی فوٹو کسی کے سر پر لگادی جائے۔

اب وہ دلیل (جو اس بات پر دلالت کرے کہ اس سے مراد وہ قیامِ تعظیمی نہیں جو ہم نے ذکر کیا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا فعل ہے یعنی اُن سے فعلاً ثابت ہے۔

عنوان نمبر ۵: ہر فرض نماز کے بعد نصیحت کرنا:

عام صورتحال:

مقتدیوں کو وعظ اور احکام سکھانا ایک لازمی کام ہے بعض ائمہ حضرات نماز کے بعد فوراً وعظ شروع کرتے ہیں ایک رسمی طریقے سے یا اوقاف والوں نے اس پر لازم کیا ہوتا ہے اور اکثر یہ وعظ لاوڈ سپیکر سے کرتے ہیں تاکہ زیادہ لوگ بیٹھ جائیں، تو اس وعظ سے بعد میں آنے والوں پر نماز میں تشویش ہوتی ہے۔

وعظ اور نصیحت:

(1) اس طرح وعظ کرنے پر کوئی صریحی ممانعت مجھے معلوم نہیں، اس لئے کہ علماء کی ایک جماعت نے اسکو جائز قرار دیا ہے، لیکن عام صورتحال میں جو تشویش کا ذکر ہوا اسکی وجہ سے یہ ممنوع معلوم ہوتا ہے۔

اس لئے کہ اسمیں لوگوں کو تکلیف دینا ہے اور لوگوں کو تکلیف دینا جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ (ہر ایک تم سے اپنے رب کیساتھ مناجات کرتا ہے تو بعض تم سے دوسروں پر تلاوت میں بلندی مت کیا کرو جس سے تم مؤمنون کو تکلیف دو) تو جب تلاوت کو اتنی بلند آواز سے کرنا صحیح نہیں جس سے لوگوں کو تشویش ہو تو تلاوت کے علاوہ اور کوئی چیز تو بطریقہ اولیٰ بلند نہیں کہنی چاہئے جس سے لوگوں کو تشویش ہو۔

(2) اگر امام نے کسی محدود جماعت کو نماز پڑھائی ہو جس میں سب نمازی حاضر ہو اور اس میں کوئی مسبوق نہ ہو اور وعظ کے درمیان کسی کے آنے کا توقع بھی نہ ہو تو پھر امام کو نماز کے فوراً بعد وعظ و نصیحت شروع کرنی جائز ہے۔

اگر عام مسجد میں وعظ دے رہا ہو تو پھر چاہئے کہ انتظار کرکے سارے نمازی نماز سے فارغ ہو جائیں (مسبوق حضرات نماز مکمل کریں اور سنت کرنے والے سنت پڑھ لیں) تو پھر وعظ شروع کردے۔

(3) اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً نماز کے بعد وعظ شروع کرتے تھے تو وہ زمانہ آج سے بہت الگ تھا وہ یہ کہ اُس وقت کوئی مسبوق نہیں ہوتا تھا، بلکہ سب لوگ جماعت میں حاضر ہوتے تھیں، اور دوسری جماعت کی بھی امکان نہیں ہوتی تھی اور آج اکثر لوگ مسبوق ہوتے ہیں اور دوسری اور تیسری جماعت کی بھی امکان ہوتی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختصر سا وعظ کرتے تھے نہ کہ آج کل جیسے کہ پورے تین گھنٹے وعظ ہوتا ہے.

شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے فرمایا! کہ جب امام اپنا وعظ سننا لوگوں پر فرض کردے تو یہ انکے حق میں ظلم ہے اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہر ایک تم سے اپنے رب کیساتھ مناجات کرتا ہے تو بعض تم سے بعضوں پر تلاوت میں جہر مت کیا کرو، جس سے تم مسلمانوں کو تکلیف دو، تو اپنا وعظ سننا کسی پر لازم کرنا یہ اسکو تکلیف دینا ہے، جو کہ حرام ہے.

پس یا انتظار کرے تاکہ سارے لوگ فارغ ہو جائیں یا اجازت سے کیا کریں تاکہ لوگوں کو کوئی تکلیف نہ ہو[1].

(4) اکثر نمازی حضرات نماز کے بعد اذکار یا سنت یا نماز پوری کرنے میں مصروف ہوتے ہیں، تو فوراً نماز کے بعد وعظ شروع کرنا مناسب نہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مناسب وقت ڈھونڈتے تھے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا انہوں نے فرمایا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وعظ کیلئے مناسب وقت تلاش کرتے تھے، تاکہ ہمیں کوئی تھکن نہ مل جائیں.

يتخولنا: یعنی مناسب وقت تلاش کرتے تھے.

اور (**سآمه**) کا معنی ہے! تھکنا.

اور امام کو چاہئے کہ جمعے کے دن دوسرے خطبے میں احکام بیان کرے، اسلئے کہ لوگ بھی زیادہ ہوتے ہیں، اور کسی قسم کی تشویش بھی نہیں ہوتی.

---

(١) موقع «أهل الحديث والأثر».

عنوان نمبر٦: نمازی حضرات کے نکلنے سے پہلے (لائٹس، اے سی) اور مسجد کے دروازوں کو بند کرنا:

عام صورتحال:

بعض نمازی اور مؤذنین (لائٹ، اے سی) کو جلدی سے بند کرتے ہیں نمازیوں کی نماز اور ذکر پورا کرنے سے پہلے، اسلئے کہ مسجد کے دروازوں کو جلدی سے بند کردیں۔

وعظ اور نصیحت:

(لائٹس، اے سی وغیرہ) بند کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے، اسلئے کہ یہ جلدی کبھی نمازیوں کو جلدی میں ڈالتا ہے، اور نمازی حضرات جلدی کی وجہ سے نماز صحیح طریقے سے اداء نہیں کرپاتے، اور اس کی سبب جلدی کرانے والے ہوتے ہیں، اور یہ کہنا کہ کوئی نہ آجائے اس لئے ہم بند کرنے میں جلدی کرتے ہیں تو یہ غلط بات ہے اس لئے کہ نمازیوں اور ذکر کرنے والوں کا حق اس سے پامال ہوجاتا ہے۔

عنوان نمبر٧: خطبہ میں لغت اور عربی گرائمر کا خیال رکھنا:

عام صورتحال:

اکثر خطباء خطبے میں لغوی اور گرائمری غلطیاں کرتے ہیں جو بالکل ظاہر ہوتے ہیں، اعراب کے لحاظ سے اور بعض خطباء حضرات کاغذ سے خطبہ پڑھتے ہیں۔

وعظ اور نصیحت:

خطبے میں لغوی اور گرائمری غلطیاں کرنا ایک نازیبا کام ہے، اور ورق سے خطبہ پڑھنا عیب ہے، اس لئے کہ بیٹھنے والوں میں عالم اور تہذیب یافتہ بھی ہوتے ہیں، جو غلطیاں سن کر بدخوا ہوتے ہیں اور یہ غلطیاں وعظ کے عدمِ قبول کا سبب ہے، تو میں انکو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ حضرات عربی گرائمر کو ایک عالمِ دین کیساتھ پڑھ لیا کریں، یا خود مطالعہ کیا کریں جو اب بہت آسان کتابیں میسر ہیں۔

ان میں سے بعض کتابیں یہ ہیں:

(1) كتاب النحو للمبتدئين، لعبد العزيز البرماوي.

(2) كتاب الواضح في النحو، لمحمد خير الحلوان.

(3) إرشادات نحوية لتيسير اللغة العربية.

(4) النحو الميسر للصغار والكبار في شرح قواعد النحو والتدريب عليها.

(5) تيسير النحو، لسعد كريم المفتي.

(6) التحفة السنية شرح المقدمة الآجرومية، لمحمد محيى الدين عبد الحميد.

(7) الميسر في التطبيق النحوي، لمحمد عطاء موعد.

(8) في النحو العربي / دروس وتطبيقاتؤ لإياد عبد المجيد إبراهيم.

(9) الدروس النحوية، لحنفي ناصف وجماعته.

(10) عدد صلاة التراويح.

صلاتِ تراویح کی تفصیل نصائح للمصلی مسئلہ نمبر 26 (عدد رکعات صلاۃ التراویح عنوان) کے نیچے دیکھنا چاہیئے، تفصیل اُدھر گذر چکی ہے.

عنوان نمبر۹: رکوع و سجود کی لمبائی برابر نہ رکھنا:

عام صورتحال:

ائمہ میں سے بعض حضرات رکوع اور سجدے کی توازن کو برابر نہیں رکھتے یہ کبھی تسبیحات کو کم یا زیادہ پڑھنے کی وجہ سے اور کبھی زیادہ دعاؤں کو پڑھنے کی وجہ سے.

وعظ اور نصیحت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رکوع اور دونوں سجدوں اور جلسے میں مساوات نقل کیا گیا ہے، براء بن عازب سے ابی لیلیٰ نے روایت نقل کیا ہے فرمایا! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور دونوں سجدے، قومہ اور جلسہ (قیام وقعود کے علاوہ) سب برابر ہوتے تھیں[١].

(ماسوا قیام) یعنی تلاوت میں اور (قعود) یعنی تشہد کی حالت میں، اس لئے کہ ان جگہوں میں طول کرنا جائز ہے، لیکن اتنا نہیں کہ لوگ متنفر ہوجائیں، اور حدیث واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

(١) موقع جامع السنة وشروحها رقم الحديث: ٧٩٢.

رکوع، سجدہ اور قومہ وغیرہ کی لمبائی برابر ہوتی تھی، تو بعض رکن لمبا کرنا اور بعض میں قصر کرنا خلافِ سنت ہے اور یہ مساوات تسبیحات کو ایک انداز میں پڑھنے سے ہوتا ہے.

عنوان نمبر۱۰: چھوٹے بچوں کو صف میں کھڑا کرنا:

عام صورتحال:

بہت سے ائمہ مساجد چھوٹے بچوں کو پہلی صف میں کھڑے ہونے سے منع نہیں کرتے اور کبھی یہ بچے کی باپ سے ڈرنے کی وجہ سے چھوڑتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بڑوں کی صف بناتے تھے پھر بچوں اور پھر عورتوں کی، اور صحابہ کرام بھی اسی طرح کرتے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع افضل ہے بچے کی سرپرست کی لحاظ کرنے سے.

عنوان نمبر۱۱: امام کا نماز شروع کرنے سے پہلے نمازیوں کو صفیں سیدھی کرنے پر توجہ نہ دینا:

عام صورتحال:

ائمہ مساجد نماز شروع کرنے سے پہلے صرف (**استووا**) کلمے پر اکتفاء کرتے ہیں بغیر کسی التفات کے صفوں اور نمازیوں کی طرف، یعنی صرف (**سووا صفوفکم**) کہہ کر تکبیر کہتے ہیں.

صفوں کی درستگی میں مائیک کے بجائے نمازیوں کی طرف توجہ کرنی چاہئے تاکہ خالی جگہیں پُر ہو جائیں.

نعمان بن بشیر سے روایت ہے! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو سیدھی فرماتے، اتنی سیدھی کہ یوں لگتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے تیر سیدھے کریں گے، یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محسوس ہوا کہ ہم آپ کے فرمان کو سمجھ چکے ہیں، پھر ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور (نماز کے لئے) کھڑے ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہنے ہی والے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا، جو اپنا سینہ باہر نکالے ہوئے تھا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اے اللہ کے بندو! اپنی صفوں کو سیدھی کرو، ورنہ اللہ جل جلالہ تمہارے مابین اختلاف ڈال دیں گے.

تو یہ قول (**فرأى رجلا باديا صدره من الصف**) سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر لوگوں پر ہوتی تھی، صفوں کی درستگی کیلئے.

عنوان نمبر ۱۲: امام کا نماز کے بعد مسنون اذکار سے قبل اپنی نشست بدلنا:

عام صورتحال:

بعض ائمہ حضرات بیٹھنے کے انداز کو نماز کے بعد فوراً بدلتے ہیں وہ اذکار نہیں پڑھتے جس کا پڑھنا ہیئت بدلنے سے پہلے ضروری ہے، خاص کر فجر اور مغرب کی نماز میں (**لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، يحيي ويميت وهو على كل شيء قدير**) دس مرتبہ پڑھنے سے پہلے ہیئت بدلتے ہیں، اسی طرح وہ اذکار جس پر نص وارد ہے ہیئت بدلنے سے پہلے پڑھنے پر.

وعظ اور نصیحت:

یہ مسئلہ نصائح المصلین بعد الصلاۃ نصیحت نمبر (5) میں دیکھنا چاہیے.

عنوان نمبر ۱۳: دعاء کے دوران عجلت:

عام صورتحال:

کبھی بعض ائمہ دعاء کو لمبی کرتے ہیں خواہ وہ دعاء خطبے میں ہو یا قنوت میں یا اور کوئی قسم کی دعاء ہو، پھر وہ دعاء کے درمیان طول محسوس کرتے ہیں، تو وہ دعاء پوری کرنے کی حرص میں جلد بازی سے کام لیتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

اے امام اور خطیب بھائی! آپ دعاء کے وقت اللہ جل جلالہ کیساتھ ہم کلامی کرتے ہو، تو چاہیے کہ جلدی نہ کیا کریں، بلکہ (تأني) آہستگی سے دعاء کریں، اور آپ کو پتہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز میں اطمینان اور سکون پسند تھا، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ اطمینان اللہ تعالی کی طرف سے ہے[1]، اور دوسری طرف دعاء تو خضوع کا مقام ہے تو جلدی کرنا مناسب نہیں.

---

(١) البيهقي: ٢٠٧٦٧.

عنوان نمبر ۱۴: امام کا نماز کے بعد مسجد سے جلد نکلنا:

عام صورتحال:

بعض ائمہ نماز کے بعد مسجد سے نکلنے میں جلدی کرتے ہیں بغیر کسی ضرورت اور حاجت کے.

وعظ اور نصیحت:

امام کو نماز کے بعد جلدی نہیں کرنی چاہیئے، اس لئے کہ بعض نمازی امام سے سؤال وغیرہ پوچھنے کو محتاج ہوتے ہیں.

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے! کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تھے تو اپنی جگہ پر کچھ دیر کیلئے ٹھرتے تھے ابن شہاب نے فرمایا! یہ اس لئے کہ عورتیں مسجد سے نکل جائیں، ابن ابی مریم نے فرمایا! کہ مجھے خبر دیا نافع بن یزید نے اسکو جعفر بن ربیعہ نے خبر دیا کہ ابن شہاب نے اس کو لکھا کہ مجھے ہند بنت الحارث الفراسیۃ نے ام سلمہ سے بیان کیا ہے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے ہے) اور ہندہ اسکی ساتھیوں میں سے تھی فرمایا! کہ پہلے عورتیں نماز کے بعد اپنے گھر جاتی تھیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلتے تھے[١].

عنوان نمبر ۱۵: صرف نماز کے آخری سجدے کو لمبا کرنا:

عام صورتحال:

یہ نصیحت نمبر 27: (نماز کے اندر والے کاموں کے بارے میں نصیحتوں کے زیر تحت) گذر چکی ہے.

عنوان نمبر ۱۶: امام کا اُن سورتوں کو نہ پڑھنا جو سنت سے ثابت ہے.

عام صورتحال:

بعض ائمہ ان سورتوں کا التزام نہیں کرتے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام حالات میں پڑھا کرتے تھے.

---

(١) فتح الباري شرح صحيح البخاري.

وعظ اور نصیحت:

سارے حضرات کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کے دن فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ دوسری میں سورۃ الدہر اور جمعے کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ الاعلی دوسری میں سورۃ الغاشیۃ یا پہلی میں سورۃ الجمعہ دوسری میں سورۃ المنافقون پڑھا کرتے تھے.

اسی طرح وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلی اور دوسری میں کافرون تیسری میں سورۃ الاخلاص پڑھا کرتے تھے.

تو بعض حضرات بغیر کسی ضرورت وحاجت کے اسکا التزام نہیں کرتے، حالانکہ یہ افضل ہے سب سے.

عنوان نمبر ۱۷: امام کا اقامت کے بعد فوراً تکبیرِ تحریمہ کہنا:

عام صورتحال:

بعض ائمہ حضرات اقامت کے بعد فوراً تکبیرہ تحریمہ کہتے ہیں اور یہ مندرجہ ذیل نقصانات کیلئے سبب بنتا ہے:

(1) مذکورہ دعاء (**اللهم رب هذه الدعوة التامة ...**) پڑھنے کا موقع مقتدیوں کو نہیں ملتا.

(2) مقتدیوں کو ذکر کی فرصت نہیں ملتی.

(3) اور تکبیرہ تحریمہ میں جلدی کرنے سے مقتدی کو ثناء (**سبحانك اللهم وبحمدك...**) اور توجہ (**وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض...**) پڑھنے کا موقع بھی نہیں ملتا، کیونکہ جہری نماز میں قرات سننا واجب ہے، تو جلدی کرنے والوں نے مقتدی حضرات سے یہ اجر فوت کردیا.

وعظ اور نصیحت:

امام کیلئے مناسب ہے کہ اقامت کے بعد نماز کو فوراً شروع نہ کیا کرے، تاکہ وہ نقصانات لازم نہ آجائے جو اوپر میں نے عام صورتحال میں بیان کئے.

یہ تو معلوم ہے کہ اقامت آذان کے حکم میں ہے.

ابن باز رحمہ اللہ سے جب اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا! اسکو آذان کہا جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمان کی وجہ سے کہ (ہر دو آذانوں کے درمیان صلاۃ (درود) ہے) تو اقامت کرنے والے کا جواب بھی مؤذن جیسا دینا چاہیئے اللہ اکبر کے جواب میں اللہ اکبر، اشھد ان لا الہ الا اللہ کے جواب میں اشھد ان... حی علی الصلاۃ کے جواب میں لا حول ولا قوۃ اور قد قامت الصلاۃ کے جواب میں قد قامت الصلاۃ کہنا پھر آخر میں درود شریف اور اللھم رب ہذہ الدعوۃ... دعاء پڑھنا افضل ہے اور ہر چہ قد قامت الصلاۃ کے جواب میں یہ قول (**أقامها الله وأدامها**) ہے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، بلکہ ایک ضعیف حدیث ہے. اور اقامت میں بھی وہی جواب دینا چاہیئے صرف قد قامت الصلاۃ کا اضافہ ہے اقامت میں نہ کے آذان میں[1].

عنوان نمبر ۱۸: امام کا نماز میں غیر حاضری کرنا:

عام صورتحال:

بعض ائمہ نماز میں غیر حاضری کرتے ہیں بغیر کسی ضرورت کے.

وعظ اور نصیحت:

بغیر کسی ضرورت سے غیر حاضر ہونے کا تنخواہ نہیں لینا چاہیئے اس لئے کہ امامت کا ذمہ داری امام صاحب نے لی ہے تو گویا وہ اوقاف کی طرف سے نائب ہے، ہاں ضرورت کی وجہ سے غیر حاضری کرنا صحیح ہے اس لئے کہ ضروریات کی وجہ سے ممنوع چیزیں بھی جائز ہوتی ہے، لیکن ضرورت بقدرِ ضرورت ہونی چاہیئے.

شیخ منجد نے شیخ ابن **عثیمین** سے نقل کیا جب اس سے پوچھا گیا، وہ امام جو نماز سے غیر حاضر ہوتا ہے اور مؤذن کو اجازت دیتا ہے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے تو فرمایا! اُس امام سے پوچھنا چاہیئے کہ آپ کس طرح تنخواہ لیتے ہے کیونکہ آپ نے متولی (اوقاف) کے سامنے ذمہ واری اٹھائی ہے، تو امام کو حسبِ ضرورت ایک یا دو نماز میں غیر حاضری کے علاوہ غیر حاضری کرنا حلال نہیں[2].

---

(۱) موقع (موسوعة الفتاوى).

(۲) موقع (الإسلام سؤال وجواب).(۲) موقع (الإسلام سؤال وجواب).

اردن سے جو فتوی صادر ہوا ہے اس میں ہے کہ اگر امام معین نے اجازت سے دوسرے کو اپنی طرف سے نائب مقرر کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں اسلئے کہ اس نے کوئی کوتاہی نہیں کی.

اگر بغیر اجازت کے نائب مقرر کیا تو یہ کوتاہی اور ملامتی ہے اور تنخواہ کا بھی مستحق نہیں ہوگا، اسلئے کہ مسلمان عہد کا پابند ہوتا ہے اس طریقے سے کہ ذمہ داری بھی اداء ہو جائے اور اللہ تعالی بھی راضی ہو جائے[1].

عنوان نمبر۱۹: امام یا منفرد کا مقامات کے مطابق قرات کرنا:

عام صورتحال:

بہت سے ائمہ حضرات نماز میں یا غیر نماز میں خوش آوازی سے تلاوت کرتے ہیں، اور وہ خوش آوازی (نغمات) لحن (غلطی) کیساتھ کرتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

(**منتديات كل السلفيين**) عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے، کہ علماء نے تلاوتِ قرآن کو مقامات کے مطابق پڑھنے کے متعلق چار اقوال بیان کئے ہیں:

(1) بدعت اور حرمت مطلّقا.

(2) مکروہ.

(3) مستحب مطلّقا.

(4) اس میں تفصیل ہے اگر خوش آوازی اور ترنم سے کوئی حروف میں کمی یا زیادتی یا تغییر اور تبدیل نہ ہو، تو جائز، اگر کوئی زیادہ نقصان ہو تو ناجائز، اور یہ (تغنی بالقرآن) میں آتا ہے یعنی قرآن کو خوش آوازی سے پڑھنا، جو کہ اچھا کام ہے.

بعض علماء کرام نے تیسرے قول (جو استحباب کا ہے) کو پسند کیا ہیں.

---

(۱) موقع (دار الإفتاء).

اور پہلا قول شیخ ابن القیم رحمہ اللہ اور شیخ علامہ بکر ابو زید نے اپنے کتاب (الرائع بدع القراء إلى بدعة قراة القرآن بالمقامات مطلّقا) یعنی مقامات کے مطابق قرات کرنا بدعت ہے۔

بر حق اور احسن قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے اور وہ چوتھا قول ہے جسکو امام نووی اور ابن حجر رحمہما اللہ نے بھی پسند کیا ہے، وہ تفصیل اس طرح ہے کہ عام احادیث کی وجہ سے **(تغني بالقرآن)** جائز ہے اور وہ مختلف لہجوں میں مقامات کے موافق قرآن پڑھنا ہے، ہاں شرط یہ ہے کہ خوش آوازی سے کوئی حرف میں کمی یا زیادتی نہ ہو، پھر جسکی وجہ سے وہ قرات سے نکل کر بدعت اور حرام کے زمرے میں داخل ہو جائے۔

آگے تفصیل آرہی ہے کہ جس نے لہجوں کو مطلّقا بدعت اور حرام کہا ہے تو یہ صحیح نہیں، ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں وہ تفصیل ذکر کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ معروف تلاوت حرمِ مدنی کا سابق شیخ محمد بن ایوب کا ہے اور وہ حفص کے روایت میں قرآن پڑھتا تھا جو سب سے افضل ہے اور مجھے پسند بھی ہے اس لئے کہ حجاز سے حفص زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، اس میں نہ حروف کی زیادت آتی ہے نہ نقصان اور نہ حروف میں کوئی لمبائی۔

قطر کے وزارۃ الأوقاف کا فتوی:

http://fatwa.islamweb.net/fatwa/inde...wald&Id=177585

اس میں یہ تصریح ہے! کہ آج کا موضوع قرآن کے متعلق ہے جس میں تلاوتِ قرآن اور آدابِ قرآن اور قرآن سیکھنے کے متعلق سوٴالات ہوں گے۔

عنوان! تلاوتِ قرآن خوش آوازی اور مقامات کے مطابق پڑھنا۔

سوٴال: مقامات کے بارے میں سوٴال! تلاوت میں خوش آوازی مطلوب ہے، جتنا ہوسکے آواز کو حسین بنائیں، اور خوش آوازی میں ترنم کے قوانین ملحوظ ہوتے ہیں اور ترنم کے قوانین سے نکلنا آواز کو متاثر کرتا ہے، تو جتنا ہوسکے ترنم کے قوانین کا خیال رکھا کریں۔

صحیح بات یہ ہے کہ خوش آوازی اس حد تک ہو کہ جس سے وہ اداءِ صحیح سے نہ نکلے، اگر اداءِ صحیح سے نکل گئی تو یہ خوش آوازی ناجائز ہے، اور شاید جن حضرات نے (انغام) لہجوں کو ناجائز کہا ہیں وہ بھی اسی صورت میں کہ جب اداءِ صحیح سے خارج ہونے کا امکان ہو.

دکتور عبد العزیز القاری نے (سنت القراء ومناہج المجودین) میں مقامات کے مطابق قرات کرنے کیلئے چار شرائط بیان کئے ہیں:

(1) تجوید اور احکام کے موافق ہو.

(2) ایسا مقام کو اختیار نہ کیا کریں جسمیں قرآن کی عزت سے تعارض ہو.

(3) ایسا مقام معین کرنا جس میں حزن کی طرف میلان ہو.

(4) بقدرِ حاجت مقامات استعمال کرنا.

تو کیا ان شرائط کیساتھ مقامات کے مطابق قرات کرنا حرام ہے؟

الجواب:

الحمد للہ والصلاۃ!

خوش آوازی کے قوانین جو (الحان) سے مشہور ہے اور (الحان) اسکو کہتے ہے جو مختلف اوزان سے مرکب ہو.

علماء نے اس میں اختلاف کیا ہیں، لیکن ان علماء میں ایک جماعت ہے جو جواز کے قائل ہیں، لیکن بشرطیہ حروف میں کوئی تغییر اور تبدیل کا تصور نہ ہو، کیونکہ اگر حروف میں کمی یا زیادتی یا تغیر اور تبدیل کا امکان ہو تو پھر حرام ہے، جس طرح امام نووی رحمہ اللہ نے (التبیان) میں فرمایا ہے.

بہت سے احادیث کے رو سے قرآن کریم کو خوش آوازی سے پڑھنا سب کا اتفاقی مسلک ہے، لیکن ایسی خوش آوازی جس سے تحریف یا کوئی کمی یا زیادتی ہو تو یہ حرام ہے، ان روایات میں سے (جن میں قرآن کو خوش آوازی سے پڑھنے کا ذکر ہے).

وہ روایت بھی ہے جسکو امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے فرمایا! کہ وہ شخص ہمارے امت میں سے نہیں جس نے قرآن میں خوش آوازی نہیں کی.

دوسری روایت بھی امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے روایت کی ہے فرمایا! کہ اللہ جل جلالہ نے کوئی چیز توجہ سے نہیں سنی جتنی توجہ سے اپنے نبی صلوات اللہ علیہ وسلم کو بہترین آواز کیساتھ قرآن مجید پڑھتے سنا ہے.

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے (المغنی) میں ذکر کیا ہے کہ بہر حال قرآن میں خوش آوازی کرنا مستحب غیر مکروہ ہے، اس وقت جب کسی کمی یا زیادتی کا سبب نہ بن جائے.

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ مسجد کے ایک شخص کی قرات سنو میں نے کبھی اس سے اچھی آواز میں تلاوت نہیں سنی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ گئے اور قرات سنی اور فرمایا! یہ سالم ہے جو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا غلام ہے (الحمد للہ) تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہے کہ جس نے ہماری امت میں بھی اس طرح خوش آوازی کو پیدا کیا ہے.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ کل رات میری آپ پر گذر ہوئی، آپ قرات کر رہے تھے، یقینا تم کو داوٗد علیہ السلام کی اہل کی طرح خوش آوازی دی گئی ہے.

ابو موسی نے فرمایا! اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ سن رہے ہے تو میں اور بھی خوش آوازی کرتا.

علماء کرام کے ایک طبقے نے قرآن کو گانوں کے لہجوں میں پڑھنے کو مکروہ کہا ہے، اس کے بارے میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا! کہ خوش آوازی دو قسم پر ہے:

(1) بغیر کسی تکلف سے خوش آوازی کرنا جائز ہے، جیسا کہ ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا! اگر مجھے علم ہوتا تو میں اور بھی خوش آوازی کیا کرتا، یہ ممدوح ہے اور سلفِ صالحین بھی اسطرح کیا کرتے تھے، اور جس سے بھی خوش آوازی کرنے کا ثبوت اور جواز منقول ہے وہ اس پر حمل کیا جائے گا.

(2) وہ خوش آوازی جو تکلف سے حاصل ہوتی ہو یعنی لہجوں کو سن کر پھر تکلف کیساتھ ان کو اپنے زبان سے کہنا وغیرہ تو یہ ناجائز ہے اور سلفِ صالحین نے بھی اس سے منع کیا ہے، اور اسکو غلط کہا ہے، تو اس تفصیل سے التباس ختم ہو جاتا ہے اور حق ظاہر ہو جاتا ہے، جو بھی سلفِ صالحین سے باخبر ہے تو اسکو یہ ضرور

معلوم ہوگا کہ وہ حضرات گانوں کی طرح خوش آوازی سے جو بتکلف ہوتی ہے بالکل پسند نہیں کرتے وہ اللہ جل جلالہ سے ڈرتے تھیں اس طرح تلاوت کرنے میں.

شیخ زکریا نے (شرح روض الطالب) میں فرمایا ہے! کہ ایک جماعت نے اسکو جائز اور دوسرے نے ناجائز کہا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے تفصیل کی ہے کہ اگر مختلف لہجوں سے کوئی تحریف نہ ہو تو جائز اگر کی زیادتی (تحریف) ہو تو ناجائز ہے، امام دارمی نے بھی فرمایا کہ اگر مختلف لہجوں سے قرات کرنے میں حرکت یا حرف میں تحریف آتا ہو تو یہ حرام ہے، اگر ایسا نہ ہو تو مستحب ہے، ابن عربی رحمہ اللہ نے (الاحکام) میں فرمایا! کہ بہت سے فقہاء کرام نے تلاوت کو مختلف لہجوں اور ترجیع سے پڑھنے کو جائز کہا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے مکروہ کہا ہے.

خوش آوازی جائز ہے اس لئے کہ ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا! (**لو علمت أنك تسمع لحبرته لك تحبيرا**) کہ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ آپ میری قرات سن رہیں ہو، تو میں مختلف لہجوں میں قرات کیا کرتا اور (**تحبير**) **الثوب المحبر** سے ماخوذ ہے، یعنی وہ کپڑا جو مختلف رنگوں سے ملون ہو، میں نے (تاج العروس ابن الفتۃ جامع مسجد عمرو) میں امام کو (**ومن الليل فتهجد...**) پڑھتے ہوئے سنا گویا کہ میں نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا اس طرح ابن الوفاء اور شیخ القراء البصریین سے میں نے مختلف مواضع میں قرات سنی ہے اس طرح لگتا تھا کہ پہلے میں نے کبھی نہیں سنا ہے اور اس طرح محسوس ہوتا کہ گویا ایوان ہم پر گر رہی ہے.

اور دلوں کا خشوع موقوف ہے خوش آوازی پر جس طرح حسین چہرے سے دل متأثر ہوتا ہے اسی طرح خوش آوازی سے بھی دل متأثر ہوتا ہے، اور جس شخص سے دل زیادہ متأثر ہوتا ہو تو وہ متقی ہوتا ہے.

ابن کارزونی مسجد اقصی آتے تھے اور **سورۃ الطور** کو مھد عیسی میں پڑھتے تھے تو کوئی بھی سننے کے علاوہ کسی کام کے نہیں ہوتے تھیں (یعنی سنتے تھے صرف) اسکا ایک بنگلہ تھا جو الافضل نام سے موسوم تھا تو وہ اسمیں محرم کے مہینہ سال (499ھ) میں داخل ہوا اور اسکو عباسیہ نے محاصرے میں لیا تھا، اور وہ عباسیہ انکے اور انکے اہل عیال کے قتل کے درپے تھے، جب وہ اس میں داخل ہوا اور مسجد اقصی کے قریب ہوئے تو

دو رکعت پڑھ لی اور ابن الکازونی آگے ہوئے، اور یہ آیت شروع کی (**قل اللهم مالك الملك تؤتي الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير إنك على كل شيء قدير**) تو جب ان لوگوں نے (ابن کارزونی) کی خوش آوازی سے تلاوت سنی تو ان کے دل پر بہت اثر ہوا، اور بغض اور حسد کے باوجود کہنے لگے کہ (**لا تثريب عليكم اليوم يغفرالله لكم وهو أرحم الراحمين**) یعنی آج تم پر کچھ ملامتی نہیں اللہ جل جلالہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے.

تو خوش آوازی اللہ جل جلالہ کی بڑی نعمت ہے اور قرآن میں اختیار کرنا انکو بجا استعمال کرنا ہے، تو یہی نعمت کا شکریہ ہے.

ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری میں فرمایا! کہ انسانی نفوس خوش آوازی (ترنم) کی طرف میلان کرتی ہیں، اگر سلف نے لہجوں کیساتھ قرآن پڑھنے میں اختلاف کیا ہے، عبد الوہاب المالکی نے امام مالک رحمہ اللہ سے (الحان) لہجوں کا تحریم نقل کیا ہے اور یہ ابو طیب طیری، ابن حمدان حنبلی، ماوردی نے بھی ایک جماعت سے نقل کیا ہیں، ابن بطال، عیاض، قرطبیؒ مالکی، ماوردی، بندنیجی، غزالی شوافع میں سے، صاحب الذخیرہ احناف میں سے انہوں نے کراہت نقل کی ہے، اور ابو یعلی، ابن عقیل نے بھی یہی پسند کیا ہے، ابن بطال نے ایک گروہ سے صحابہ اور تابعین میں سے جواز کو نقل کیا ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی صراحۃً منقول ہے، امام طحاوی نے (احناف میں سے) بھی اس طرح نقل کیا ہے، امام فورانی نے (شوافع میں سے) استحباب ذکر کیا ہے یہ اختلاف اس وقت ہے کہ مختلف قرآت سے تحریف نہ ہو (اگر ہو تو وہ حرام ہے) امام نووی رحمہ اللہ نے (التبیان) میں فرمایا! کہ علماء کرام نے تحریف کی صورت میں حرمت پر اتفاق کیا ہیں. **انکے الفاظ:**

علماء نے خوش آوازی پر اتفاق کیا ہے، لیکن زیادتی اور کمی کی صورت میں (الحان) خوش آوازی کو حرام کہا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ سے کراہت اور عدمِ کراہت دونوں نقل ہے تو یہ دو قول نہیں، بلکہ دو حال کے اعتبار سے اختلاف ہے کہ اگر خوش آوازی سے (تحریف) کوئی کمی زیادتی ہو تو حرام اگر نہ ہو تو جائز ہے.

یہ تو واضح ہے کہ خوش آوازی قرآن کریم میں مطلوب ہے جیسا کہ ابن ابی ملیکہ سے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے صحیح سند کیساتھ نقل کی ہےاور یہ ترنم کے قوانین کی رعایت سے ہوتا ہے (سب علماء نے اتفاق کیا ہے کہ وہ ترنم جس میں حرف اپنے مخرج سے نہ نکلے یعنی اپنی مخرج سے اداء ہو جائے اور کوئی زیادتی کا بھی تصور نہ ہو، تو جائز ہے) لیکن ترنم کے قوانین کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اس لئے کہ اس سے آواز میں حُسن پیدا ہوتی ہےاور رعایت نہ کرنے سے آواز میں قبح پیدا ہوتی ہے.

عنوان نمبر ۲۰: الیکٹرونک آلات سے حشرات کو جلانا:

عام صورتحال:

بعض مساجد میں ایسے آلات رکھے جاتے ہیں جس سے حشرات (مچھر وغیرہ) آتے ہی مر جاتے ہیں.

وعظ اور نصیحت:

ان آلات کیساتھ حشرات کو قتل کرنے کے حکم کو بیان کرنے سے پہلے یہ وضاحت کروں گا کہ کیا حشرات کو قتل کرنا جائز ہے، اور کس قسم ضرر کی وجہ سے جائز ہے.

بعض علماء نے ان آلات کیساتھ حشرات قتل کرنے کو جائز قرار دیا ہیں، اور انہوں نے فرمایا! کہ یہ صعق (کرنٹ) ہے، نہ کہ جلانا، اس بنیاد پر انہوں نے جواز کا فتوی دیا ہے.

میں نے اس مسئلے کی تحقیق کرتے ہوئے دو اساتذہ کرام سے (جو طبیعات میں (p -h -d) کرنے والے تھے) پوچھا تھا، تو ایک نے مجھے جواب دیا! معلومات کے مطابق کہ (صعق) کرنٹ بجلی کی لہر سے پیدا ہوتی ہے جب وہ کسی مچھر وغیرہ کے جسم سے گذر جائے، اور جلانا اس وقت ہوتا ہے جب گرمائش کی فیصدی زیادہ ہو، تو وہ جل جاتے ہیں.

اور حرارت ایک خاص مقدار کی گرمائش سے شروع ہوتی ہے تو ظاہر یہ ہے کہ حشرات چھوٹی حیوان مچھر وغیرہ پہلے کرنٹ لیتے ہیں پھر جل جاتے ہیں، لیکن حشرات مچھر کے مرنے کا بنیادی سبب کیا ہے تو اسکے بارے میں یقین نہیں، کبھی کبھار حشرات کرنٹ لیتے ہیں، لیکن اس سے نہ مرتے ہیں اور نہ جلتے ہیں، اور کبھی صرف کرنٹ سے مرجاتے ہیں نہ کہ جلنے سے، اور کبھی صرف جلنے سے مرتے ہیں.

دوسرے استاذ نے جواب دیا! کہ یہ آلات مختلف قسم کے ہیں:
انمیں بعض آلات ایسے بھی ہے جو حشرات کو جلا دیتے ہیں.
توان دونوں حضرات کے جواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کبھی یہ چھوٹا حیوان (مچھر وغیرہ) جل جاتا ہے جو کہ جائز نہیں اس لئے کہ یہ آگ سے سزا دینا ہے اور آگ سے سزا نہیں دیتا مگر اللہ جل جلالہ.
صحیح البخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر میں بھیجا اور فرمایا! اگر تم قریش کے فلاں فلاں دو آدمیوں کو پاؤ تو انہیں جلا دو، پھر جب ہم نے روانگی کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا! میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ فلاں فلاں کو جلا دو، حالانکہ آگ سے صرف اللہ جل جلالہ ہی عذاب دے گا اس لئے اب اگر تم ان کو پاؤ تو قتل کر دو.
تو معلوم ہوا کہ حشرات سے بچاؤ کیلئے جلانے کے علاوہ کوئی اور طریقہ استعمال کرنا چاہئے.